سید عبدالحیؒ نمبر

(صرف احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لیے)

ماہنامہ

انصاراللہ

تبوک/اخاء 1391 ہش۔ستمبر/اکتوبر 2012ء

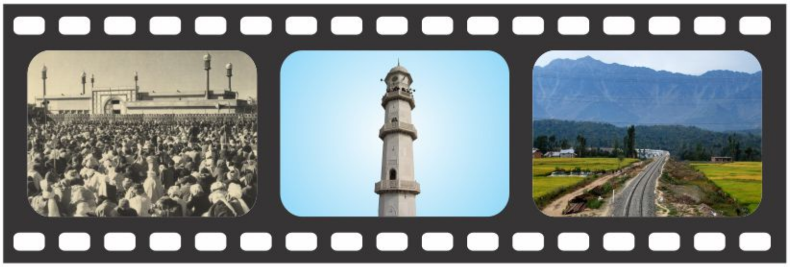

”جماعت کا عظیم سرمایہ“

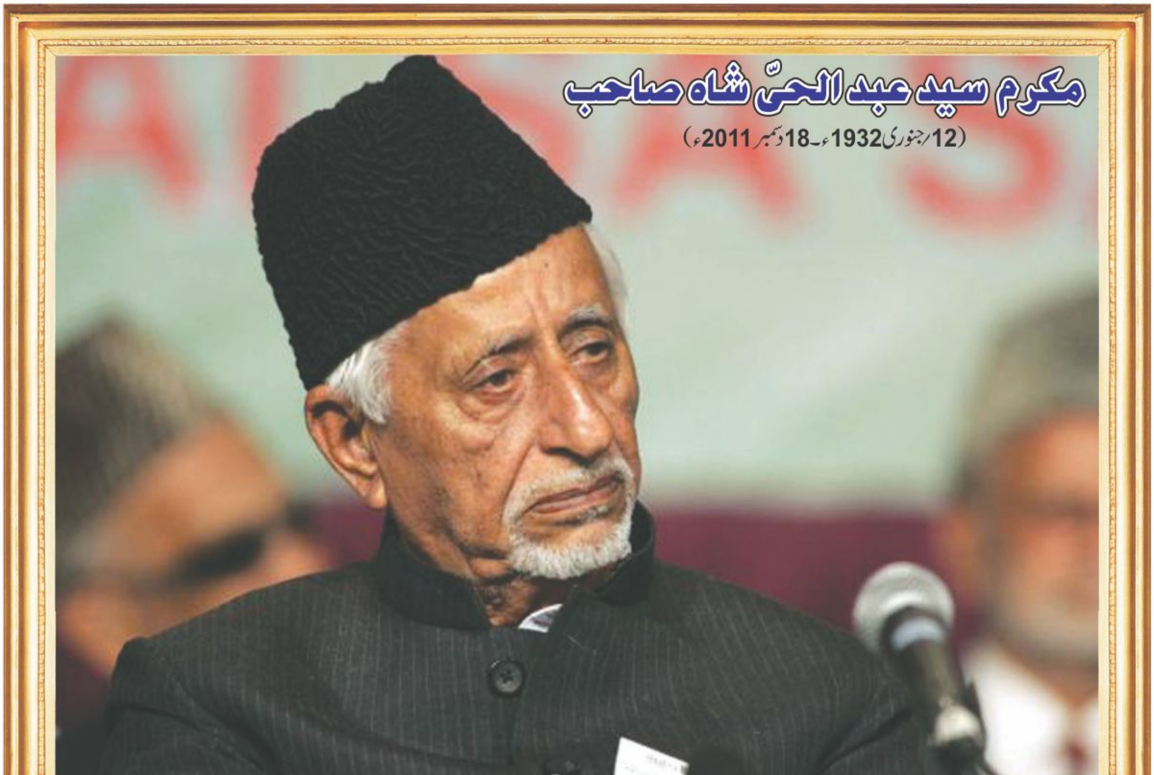

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کی نظر میں آپ کا مقام
مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا
دلنشین یادیں
علمی میدان میں بے لوث خدمات
عظیم واقف زندگی کی یاد میں
گلدستۂ سیرت

ایڈیٹر: احمد طاہر مرزا

کرسیوں پر بائیں سے دائیں: مکرم مولانا مبشر احمد کاہلوں صاحب، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب، مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب۔ ایستادہ: مکرم سید قاسم احمد شاہ صاحب، مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب، مکرم شیخ مبارک احمد صاحب، مکرم حافظ مظفر احمد صاحب، مکرم سید طاہر احمد صاحب

ماہنامہ **انصاراللہ** | سید عبدالحی نمبر

تبوک/اخاء 1391 ھش/ستمبر/اکتوبر 2012ء/جلد 53/شمارہ 9-10 | ایڈیٹر: احمد طاہر مرزا

گہری فراست کے مالک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہومیوپیتھی یعنی علاج بالمثل کی Repertory کی تیاری کے ذکر میں مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب سے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے 6/ستمبر 1997ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''میرے اندازے کے مطابق اس کام کو...... صحیح طریق پر ادا کرنے کے قابل سید عبدالحی صاحب ہیں جو ناظر تالیف وتصنیف ہیں۔ سید عبدالحی صاحب میں مَیں نے یہ خوبی دیکھی ہے کہ جب بھی ان کو کوئی معین بات سمجھا دی جائے، خواہ وہ ذاتی علم نہ بھی رکھتے ہوں، ذاتی علم والوں کی تلاش کرتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کو میں نے کسی کتاب کے متعلق ہدایت کی ہو اور بعینہٖ وہی چیز انہوں نے تیار نہ کی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک گہری فراست حاصل ہے۔ بہت باریک بینی سے چیزوں کا مطالعہ کرتے ہیں''۔

(خطبہ جمعہ 26/ستمبر 1997ء بحوالہ الفضل ربوہ 14/فروری 1998ء صفحہ 3)

نائبین: ○ ریاض محمود باجوہ ○ مبشر احمد خالد ○ نوید مبشر شاہد

فون نمبر 047-6212982۔ فیکس 047-6214631 موبائل نمبر مینیجر (0336-7700250)

ویب www.ansarullahpk.org قائد اشاعت quaid.ishaat@ansarullahpk.org

ای میل magazine@ansarullahpk.org:ansarullahpakistan@gmail.com

پبلشر: عبدالمنان کوثر پرنٹر: طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ کمپوزنگ: فرحان احمد ذکاء

مقام اشاعت: دفتر انصاراللہ دارالصدر جنوبی، چناب نگر (ربوہ) مطبع: ضیاء الاسلام پریس

شرح چندہ پاکستان سالانہ 200: روپے۔ قیمت فی پرچہ: 20 روپے

اس شمارہ میں

●	اداریہ	5
●	اُذْکُرُوْا مَوْتکُمْ بِالْخَیْرِ	7
●	تبرکات (مکرم ومحترم مولانا سید عبدالحی شاہ صاحب)	9
●	مختصر سوانحی خاکہ	11
●	’’جماعت کا عظیم سرمایہ‘‘ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ کا مقام ومرتبہ	12
●	میرے والد مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب (مکرم سید احمد رضوان صاحب)	23
●	دلنشین یادیں (مکرم سید احمد یحییٰ صاحب)	28
●	بیاد مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب (نظم)	33
●	سراپائے شفقت پیارے والدین (خ۔ بزمی، سکردو)	34
●	مضبوط عزم وہمت کی درخشندہ مثال (مکرم اظہر احمد بزمی صاحب، سکردو)	37
●	عظیم واقفِ زندگی کی یاد میں (مکرم خواجہ عبدالغفار ڈار صاحب)	41
●	مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا (مکرم ملک خالد مسعود صاحب)	46
●	نظارت اشاعت میں بے نظیر خدمات (مکرم محمد یوسف شاہد صاحب)	55
●	الفضل کے لئے بے لوث خدمات (مکرم آغا سیف اللہ خان صاحب)	63
●	الفضل کے سرپرست (مکرم عبدالسمیع خان صاحب)	68
●	علمی خدمات (مکرم محمد محمود طاہر صاحب)	69
●	ایک دوست کی یاد میں (مکرم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب)	73
●	جب مشاورت کے موقع پر اپنا کارڈ گھر بھول آئے (مکرم بشارت احمد ملک صاحب)	75
●	درویش صفت بھائی (مکرم ڈاکٹر الیاس خواجہ صاحب، سرینگر کشمیر)	76
●	عجز وانکسار کے پیکر (مکرم خواجہ منظور صادق صاحب)	78
●	ایک دلنواز شخصیت (مکرم منیر احمد بسمل صاحب)	80
●	گلدستۂ سیرت	82
●	مدیر انصاراللہ کے طور پر خدمات (مدیر)	89

’’سید عبدالحی نمبر‘‘ کی خصوصی اشاعت

ع کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب صدر مجلس انصاراللہ پاکستان)

مجلس انصاراللہ پاکستان کو صد سالہ خلافت جوبلی کے سال مرکزی طور پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے بارہ میں خصوصی نمبر کی اشاعت پر جب اس مساعی جمیلہ کو سراہا گیا تو سابق صدر مجلس صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب نے ذاتی توجہ اور دلچسپی سے 2009ء میں سیّدنا حضرت مصلح موعود نمبر کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ جو ایک قابل قدر مساعی تھی۔ فالحمد للہ

2010ء میں 28 رمئی کے سانحہ لاہور کے بعد 86 شہداء لاہور (جن میں سے 60 انصار تھے) کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے شہداء لاہور نمبر شائع کرنے کے لئے اس عاجز کو توجہ ہوئی۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے لئے خصوصی رہنمائی اور منظوری فرماتے ہوئے اپنے تاریخی پیغام میں تحریر فرمایا کہ ’’ماہنامہ انصاراللہ ربوہ کی شہدائے لاہور کے بارہ میں ایک خصوصی شمارہ شائع کرنے کی کوشش وقت کی ضرورت اور بڑا مبارک کام ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کی اشاعت ہر لحاظ سے مفید اور بابرکت ہو۔ آمین‘‘۔

اس خصوصی نمبر کو بھی پذیرائی ملی۔ ایک غیر از جماعت علامہ اور مفتی صاحب نے راولپنڈی سے فون پر یہ تبصرہ کیا کہ ’’آپ لوگوں نے تو سال بھی گزرنے نہ دیا اور واقعہ لاہور میں جان بحق ہونے والوں کے بارہ میں یہ خصوصی نمبر چھاپ کر انہیں زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ اور زندہ قوموں کا یہی کردار ہوتا ہے‘‘۔

گزشتہ سال ہمارے بزرگ اور قابل احترام رفیق کار مکرم سیّد عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر اشاعت کی وفات ہوگئی۔ جنہوں نے گوشۂ گمنامی میں رہ کر کمال عجز، اخلاص، محنت اور وفا سے دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہوئے خلافت کے سلطان نصیر بننے کا حق ادا کر دکھایا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو یہ سند عطا فرمائی تھی کہ ’’خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ واحد ناظر ہیں جنہیں مفوضہ کاموں کے لئے کبھی یاددہانی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء‘‘۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خادم سلسلہ کے ذکر خیر کے لئے 23 دسمبر 2011ء کا خطبہ جمعہ وقف فرمایا انہیں جماعت کا ’’عظیم سرمایہ‘‘ قرار دیا۔ اور حقوق اللہ و حقوق العباد اور اطاعت خلافت کے لحاظ سے ان کے قابل تقلید نمونہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’یہ خادم سلسلہ آخر دم تک سلسلہ کے لئے وقف رہا‘‘۔

اس پر حضرت شاہ صاحب کے بارہ میں خصوصی نمبر کی اشاعت کی تحریک ہوئی اور حضور انور کی رہنمائی اور منظوری سے اس مقصد کے لئے پہلے سے زیر تجویز بعض موضوعات سے بھی پیشتر یہ خصوصی اشاعت تیار ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

حضرت شاہ صاحب بلاشبہ ایک بے نفس و بے ریا، باصفا و باوفا اور متوکل وجود تھے۔ وہ عالم باعمل، درویش منش اور مرنجاں مرنج انسان تھے۔ اس عاجز کو پہلے جامعہ احمدیہ کے دور میں ان کی نظارت اشاعت کے زیر سایہ بطور نگران ریسرچ سیل کام کا موقعہ ملا۔ جس کے تحت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں مطلوبہ تحقیقی حوالہ جات بھجوائے جاتے

تھے۔ ریسرچ سیل کی ضروریات کے لئے بجٹ نظارت اشاعت کے تحت تھا۔ اس سلسلہ میں جب تک خاکسار کے سپرد یہ خدمت رہی شاہ صاحب نے ہمیشہ ہر ضرورت خندہ پیشانی سے پوری فرمائی۔ اور ہر ممکن تعاون مہیا کیا۔

پھر **1989**ء میں خدام الاحمدیہ کے زمانہ میں ان سے صدرانجمن احمدیہ میں رفاقت کا جو تعلق ہوا وہ نظارت دعوت الی اللہ میں خدمت کے اٹھارہ سالہ دور اور پھر نظارت اصلاح وارشاد مقامی اور انصاراللہ میں بھی ان کا خصوصی تعاون ہمیشہ حاصل رہا۔

حضرت شاہ صاحب میں اپنے رفقاء کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا خلق بھی خوب تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں درس القرآن کے سلسلہ میں وہ بھی حوالے بھجواتے تھے اور یہ خاکسار بھی۔ کئی دفعہ حضور کی طرف سے حوصلہ افزائی پر آپ بھی اظہار خوشنودی فرماتے۔ خلافت جوبلی کے سال میں بیت اقصیٰ ربوہ میں اس عاجز کے عیدالاضحیٰ پڑھانے کے بعد عید ملے تو بے تکلف فرمایا کہ یہ خطبہ تمہارے پہلے سب خطبوں سے اچھا تھا۔

الغرض شاہ صاحب ایک بے لوث خادم سلسلہ، خلافت کے فدائی اور اطاعت کے پتلے تھے۔ ایک جوہر کمیاب، گوہر آبدار اور گنج گراں مایہ تھے۔ جن کے کچھ اوصاف حمیدہ کا احاطہ کرنے کی سعی ناتمام اس شمارہ خصوصی کا مقصد ہے۔

گزشتہ دو دہائیوں سے تو آپ سے قرب ہمسائیگی بھی حاصل تھا۔ اس پر مستزاد ہمارے چھوٹے بیٹے انصر احمد سویڈن کا رشتہ ان کے سسرالی عزیزوں میں ہوا تو یہ تعلق اور پروان چڑھا اور ہمیشہ ان کی طرف سے شفقت و محبت کے نمونے ہی دیکھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

شاہ موصوف کی نظر گہری اور ذوق لطیف تھا۔ صدرانجمن کے اجلاسات میں گاہے بگاہے اس حسِ ظرافت سے ان کے رفقاء محظوظ ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔ اکثر کسی لفظی و معنوی اشارہ اور ہلکے پھلکے چٹکلہ سے مجلس کو کشتِ زعفران بنا کر ساتھیوں کو تازہ دم کر دیتے۔ طبعاً محنت کی عادت تھی۔ حتی الوسع نظارت کے کام مؤخر نہ کرتے تھے۔ بغرض منظوری اشاعت کیلئے آنیوالے مسودات کا جلد جائزہ و مطالعہ کر کے منظوری فرماتے اور بسا اوقات اگلے ہی روز اپنے ہاتھ سے اجازت کا خط لکھ کر اطلاع دیتے۔

آپ علم دوست اور کثیر المطالعہ تھے۔ گزشتہ سال راولپنڈی سے بعض شیعہ اور اہل سنت اہل علم کا ایک وفد آپ کے دفتر میں آیا۔ ان کا مقصد جماعت پر علمی تحقیق کے حوالے سے اپنی لائبریری کے لئے کتب کا حصول تھا۔ مجھے بھی یاد فرمالیا اور بعد تسلی ان کی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ مجھے یہ ذمہ داری سونپی کہ ان سے علمی نشست کر کے جماعت کا مزید تعارف کرواؤں اور انصاراللہ کی مفید کتب بھی مہیا کروں۔ وہ مہمان بھی شاہ صاحب سے متاثر اور بہت ممنون احسان ہوئے اور آج تک اچھا ربط و تعلق رکھتے ہیں۔

الحمدللہ کہ حضور انور کی خواہش کے مطابق مکرم صاحبزادہ مرزا فضل احمد صاحب قائد اشاعت کی نگرانی اور مکرم احمد طاہر مرزا صاحب مدیر ماہنامہ انصاراللہ کی قابل قدر کاوش اور محترم شاہ صاحب کے اقارب اور اہل قلم حلقہ احباب کے تعاون سے یہ سالانہ نمبر مفید اور عمدہ مواد سے مزین ہوا۔ خدا کرے کہ ہماری یہ کوشش بھی مقبول اور نافع الناس ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جماعت کو ہمیشہ ایسے باوفا خدام سلسلہ عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

اداریہ

صدیوں پرانا سلسلہ اہلِ وفا کا ہے!

جہاں تک ناچیز نے مطالعہ کیا ہے سلسلہ احمدیہ میں شاذ ہی کوئی شخصیت ایسی ہوگی جن کے بارہ میں انفرادی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس قدر الہامات ہوئے ہوں اور جن کا اطلاق خود حضرت اقدسؑ نے اسی وجود پر کیا ہو۔ وہی عظیم الشان خادم دین شخصیت جب بیمار ہوتی ہے تو قادیان کے دورافتادہ قصبہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے پانچ چوٹی کے اطباء انکے علاج کیلئے مامور کردیئے اور 1905ء میں روزانہ سینکڑوں روپے اس کے مسلسل علاج پر پانی کی طرح بہا دیئے۔ کئی نئی ادویات جو بالعموم دستیاب نہ ہوتیں آپ تمام تر وسائل بروئے کار لا کر انہیں خطیر رقم خرچ کر کے باہر سے منگوا لیتے اور اس خادم سلسلہ پر خرچ کر دیتے۔ علاج و معالجہ کا یہ سلسلہ چند ماہ جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خادم دین کو اس بیماری سے اعجازی رنگ میں شفا بھی عطا کردی تاہم تقدیر الٰہی غالب رہی اور الہامات الٰہیہ کے مطابق وہ ہستی جنہیں خدا تعالیٰ نے الہاماً ''(......) کے لیڈر'' قرار دیا تھا، اکتوبر 1905ء کو 47 سال کی عمر میں اس جہان سے کوچ کر گئے۔ حضرت خواجہ مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نوراللہ مرقدہ کو وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا کہ اول المدفون مقبرہ بہشتی قادیان ٹھہرے۔ اس عظیم ہستی کے بارہ میں یہاں تک فرمایا کہ ''مولوی صاحب ہر تقریب اور جلسہ پر یاد آجاتے ہیں...... انکے اندر محبت اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بجز اس کے میں سمجھتا ہوں کہ اور کچھ تھا ہی نہیں۔'' (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 570)

درحقیقت خدمت دین کرنے والوں کی اللہ کے پیارے ایسی ہی قدردانی کرتے ہیں اور ان کے اخلاص و وفا کی بدولت انہیں سی طرح ہی اعزاز بخشتے ہیں۔

18 دسمبر 2011ء کو ہمارے ایک بزرگ سید عبدالحی شاہ صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ ان خاص بزرگ خادمین سلسلہ میں سے ایک تھے جن کی جدائی کا غم احباب جماعت پر بہت گراں گزرا۔ اور یقیناً آپ ان کروڑوں میں سے تھے ایک تھے جن کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''اس قسم کے آدمی پیدا ہو جانے چاہئیں جو دینی علوم سے پوری طرح واقفیت رکھنے والے ہوں۔ عالم باعمل ہوں تاکہ ان کی تحریر اور تقریر کا دوسروں پر بھی اثر ہو سکے۔ ایک آدمی جس کے دل میں یہ بات ہو کہ خدا کے واسطے کام کرے وہ کروڑوں آدمی سے بہتر ہے۔'' (ملفوظات جلد پنجم، صفحہ 65)

قدیم سے یہ سنت الٰہی ہے کہ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ۔ (الرعد:18) جو نافع الناس، خادم دین اور انسانیت کے خدمت گزار ہیں انکی عمریں بڑھائی جاتی ہیں، ان کا ذکر خیر امر ہو جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ مکرم شاہ صاحب نے چار خلفاء سلسلہ کے عہد میں خدمت دین کی توفیق پائی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اس وفادار خادم سلسلہ سے بہت خوش تھے اور اس خوشنودی کا اظہار اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا نیز آپ کی سیرت و سوانح کے متعلق ماہنامہ انصاراللہ کا خصوصی شمارہ شائع کرنے کی منظوری عطا فرمائی۔ یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ دربار خلافت سے سندِ خوشنودی حاصل کرنے کیلئے خدمت دین کا وسیع میدان احباب جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہمیشہ سے ہی کھلا ہے۔ اور آج جو بھی للّٰہی وقف کے جذبات سے لبریز ہو کر دین کی خدمت پر کمربستہ رہے گا وہ ہمیشہ کیلئے امر ہو جائے گا۔ اور خدا تعالیٰ خود

اس کے اس جذبہ کو قبول کرتے ہوئے اس کی طلبِ انعام کی خواہش نہ ہونے کے باجود انعامات وافضال کی بارشیں اس پر نازل فرمائے گا۔اور برکات خلافت کے ثمرات سے اس کے دامن کو بھر دے گا جس سے اس کی نسلیں بھی تا ابد فیض پاتی رہیں گی۔اللہ تعالیٰ ہم سب میں جانثار، وفادار اور سچا خادم دین بننے کی صلاحیتیں پیدا کردے کہ یہ خدمت کی توفیق بھی اس کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔آمین۔

ع

صدیوں پرانا سلسلہ اہلِ وفا کا ہے

ہمارے بزرگ محترم شاہ صاحب سے مختص اس خصوصی شمارہ کیلئے کئی احباب نے پُرخلوص جذبات کا اظہار اپنے مضامین میں کیا۔خاکسار کیلئے مضامین کا انتخاب کرنا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ بالعموم اکثر احباب کے مشاہدات وتاثرات میں ایک ہی طرز کے واقعات تھے جس سے خاکسار اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ شاہ دل اور فرشتہ صفت ہستی دلجوئی وحوصلہ افزائی کرنے میں، دوسروں کی عزت نفس کا لحاظ کرنے میں، علمی حوصلہ افزائی کرنے، مسودات کی منظوری میں غیر معمولی شفقت کرنے، تالیف وتصنیف کے سلسلہ میں احباب جماعت کی راہ نمائی کرنے، مستقل لکھاریوں کے مسودات کی اشاعت کیلئے فوری منظوری دینے میں، علمی وتحقیقی معلومات Share کرنے میں فراخدلی اور ایتائے ذی القربیٰ کے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے میں، بالخصوص نوجوان واقفین زندگی کو اپنے دفتر میں بلا جھجک اور بے تکلفانہ ماحول میسر کر کے انہیں مفید نئے علمی نکات سمجھانے اور باوجود معمور الاوقات ہونے کے ان کی باتیں تحمل سے سننے اور انہیں صائب مشورہ دینے میں، یہاں تک کہ ان کے لکھے ہوئے مسودات کو از سرِ نو ترتیب دلوا کر ان کی تالیفات میں حسن کے چار چاند لگانے میں سب کیلئے یکساں نفع رساں وجود تھے۔خاکسار ذاتی طور پر کئی واقفین زندگی کو جانتا ہے جو سالہا سال اس صوفی منش، صاحب علم وعرفان اور خاموش مجاہدِ سلسلہ سے شرف تلمذ اور فیض پاتے رہے۔سلسلہ احمدیہ کے نوجوانوں کی اس نہج پر تعلیم وتربیت کرنا بھی آپ کی ایک عدیم المثال خدمت ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس بے لوث خدمت کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

لیکن اس دار فانی کا بھی کیا کیا جائے یہ گھر ہی بے بقا ہے۔جانے والے بزرگان کی نیکیوں کو جاری رکھ کر ان کی زندگیوں کو دوام بخشا جاسکتا ہے۔بزرگان کے حالات زندگی محفوظ کرنا ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ضرورت اس امر کی ہے اکناف عالم میں پھیلے ہوئے احبابِ کرام اپنے خاندان کے بزرگان کے حالات زندگی جمع کرنے کی کوشش کریں تا ان کی نیکیاں، ان کے اخلاص ووفا کی داستانیں اور اخلاق وکردار کے نمونے آئندہ نسلوں میں جاری وساری رہیں۔اسی سلسلہ کی ایک سعادت مجلس انصاراللہ پاکستان مکرم شاہ صاحب کا شمارۂ خصوصی پیش کر کے حاصل کر رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگان کی نیکیاں نسلاً بعد نسلٍ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، ان سعید روحوں کی زندگی کا مطالعہ کر کے اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری نسلوں کو انکے کردار واخلاق کے اعلیٰ نمونوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

اُٹھا ساغر پلا پھر ایک بار آہستہ آہستہ
کہ اٹھتے جاتے ہیں سب بادہ خوار آہستہ آہستہ
نہ ان کو بھول جا اے بزم یار! آہستہ آہستہ
بچھڑ کر جانے والوں کو پکار آہستہ آہستہ

اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سوانح نویسی کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھلایا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور پر ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور ان کے لکھنے سے کوئی نتیجہ معتد بہ پیدا نہیں ہوتا۔ سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں، ان لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا ہمت یا زہد و تقویٰ یا علم و معرفت یا تائید دین یا ہمدردئ نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لئے حاصل کریں اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قابل ہو جائیں......اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے وقت نہایت شوق سے اس شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات پر اطلاع پا کر اس سے کچھ فائدہ اٹھائے۔ تب اگر ایسا اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلایا ہو تو یہ شخص نہایت ملول خاطر اور منقبض ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اپنے دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا ہے اور درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوان نعمت رکھا جائے اور معاً ایک لقمہ اٹھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اٹھا لیا جائے۔ اس لئے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کے لئے قلم اٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفید عام اور ہر دل عزیز اور مقبول اَنام بنانے کیلئے، نامور انسانوں کے سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور سے مکمل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کیلئے دعا بھی کرے اور صفحات تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں کہ جن بزرگ محققوں نے نیک نیتی اور افادہ عام کیلئے قوم کے ممتاز شخصوں کے تذکرے لکھے ہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا ہے''۔　(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 159-162)

اپنے پیاروں کا ذکر خیر

یادرفتگان یعنی اپنے پیاروں کا ذکر خیر کرتے رہنا ایک عظیم سعادت اور صدقہ جاریہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہی تلقین فرمائی ہے۔ اس بارہ سیدنا حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ　عام طور پر اس کے یہ معنے کیے جاتے ہیں کہ مُردوں کی بُرائی نہیں بیان کرنی چاہیے وہ فوت ہو گئے ہیں اور ان کا معاملہ اب خدا سے ہے۔ یہ معنی اپنی جگہ درست ہیں لیکن درحقیقت اس میں ایک قومی نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے اُذْکُرُوْا مَوْتٰی بِالْخَیْرِ

نہیں فرمایا بلکہ آپ نے مَوْتَاکُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی اپنے مُردوں کا ذکر نیکی کے ساتھ کرو جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے یہ صحابہؓ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری جگہ آپؐ فرماتے ہیں:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ میرے سب صحابی ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے کیونکہ صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی خدمتِ دین کا ایسا موقعہ ملا ہے جس میں وہ منفرد نظر آتا ہے اس لیے آپ نے مَوْتَاکُمْ کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ تم ان کو ہمیشہ یاد رکھا کرو تا تمہیں یہ احساس ہو کہ ہمیں بھی اس قسم کی قربانیاں کرنی چاہئیں اور تا نوجوانوں میں ہمیشہ قربانی، ایثار اور جرأت کا مادہ پیدا ہوتا رہے اور وہ اپنے بزرگ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 جولائی 1949ء۔ از الفضل لاہور 31/ جولائی 1949ء)

بزرگان کی تاریخ اکٹھا کرنے کی مبارک تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی صدی کے آخری خطبہ جمعہ فرمودہ 17/ مارچ 1989ء میں اپنے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات اور ان کے احسانات کو جمع کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''اس امر کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ سمندر کی تہہ میں بغیر مقصد کے اپنی لاشیں بچھانے والے گھونگوں کی پہلی نسل اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ اس کی آئندہ نسلیں ضرور فتح یاب ہونگی اور وہ نسل سب سے بڑی فتح پانے والی ہے جو سب سے پہلے ترقی کے سلیقے سکھاتی ہے۔ پس اپنے ان بزرگوں کے احسانات کو نہ بھولیں جو خدا کی راہ میں اپنی جانیں بچھاتے رہے۔ جن پر احمدیت کی بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہوئیں اور یہ عظیم الشان جزیرے اُبھرے۔ وہ لوگ ہماری دعاؤں کے خاص حق دار ہیں۔ اگر آپ اپنے پرانے بزرگوں کو ان عظمتوں کے وقت یاد رکھیں گے جو آپ کو خدا کے فضل عطا کرتے ہیں تو آپ کو حقیقی انکساری کا عرفان نصیب ہوگا۔ تب آپ جان لیں گے کہ آپ اپنی ذات میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتے۔...... اپنے بزرگوں کی نیکیوں اور احسانات کو یاد رکھ کے ان کیلئے دعائیں کرنا یہ ایک ایسا اچھا خلق ہے کہ اس خلق کو ہمیں اجتماعی طور پر نہیں بلکہ ہر گھر میں رائج کرنا چاہئے۔ ان کے حالات کو زندہ رکھنا تمہارا فرض ہے ورنہ تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔...... اس لئے ہر خاندان کو اپنے بزرگوں کی تاریخ اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ان کی بڑائی کیلئے شائع کرنے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے آپ کو بڑائی عطا کرنے کیلئے، ان کی مثالوں کو زندہ کرنے کیلئے ان کے واقعات کو محفوظ کریں اور پھر اپنی نسلوں کو بتایا کریں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے آباؤ اجداد تھے اور کس طرح وہ لوگ دین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی ہونگے جن کو یہ استطاعت ہوگی کہ وہ ان واقعات کو کتابی صورت میں چھپوا دیں...... میں امید رکھتا ہوں کہ اگر اس نسل میں ایسے ذکر زندہ ہونگے تو اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر کو بھی بلند کرے گا اور آپ یاد رکھیں کہ اگلی نسلیں اسی طرح پیار اور محبت سے اپنے سر آپ کے احسان کے سامنے جھکاتے ہوئے آپ کا مقدس ذکر کیا کریں گی اور آپ کی نیکیوں کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی''۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 27 مارچ 1989ء)

تبرکات

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

مکرم ومحترم سید عبدالحی شاہ صاحب نے حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کی وفات پر ماہنامہ انصاراللہ کا ایک اداریہ کچھ اس طرح لکھا:

''سماء احمدیت سے جب کوئی درخشندہ ستارہ غروب ہوتا ہے تو دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔ جانے والے احمدیت کے امین تھے سلسلہ سے عشق رکھنے والے یہ لوگ اپنی شاندار خدمات کی وجہ سے دلوں سے محو نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ہر ایک احمدیت کی تاریخ کا کھلا باب تھا۔

فرزند احمدیت حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نازش فرزند تاریخ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جتنا دنیوی اعزاز سے نوازا اتنا ہی ان کا سر بارگاہِ احمدیت میں جھک گیا۔ خدا نے جتنی نعمت عطا کی انہوں نے اپنے رب کی نعمت کی اتنی ہی تحدیث کی۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی ملک وملت کی خدمت میں بسر کی۔ کتنے بے سہارا ان کی بدولت اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بام عروج کو پہنچے۔ ان کی فیاضی اپنوں بیگانوں سب کیلئے تھی۔ جدوجہد اور محنت میں وہ ہمارے لئے نمونہ تھے۔ ان کی نظر ہمیشہ احکام الٰہی پر رہتی۔ اقوام متحدہ کی صدارت کا آغاز اس صاحب ایمان نے خدا کے کلام سے کیا۔ نماز، ذکر الٰہی ان کی روح کی غذا تھی۔ دعا اور خدا کا فضل ان کے گھر کا شہتیر تھا۔

آپ کے برادر اصغر چوہدری اسد اللہ خان صاحب نے احمدیت کی محبت ورثہ میں پائی تھی۔ تاریخ احمدیت کا یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جب حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر تعلیم قادیان نے مجلس شوریٰ میں حضرت بانی سلسلہ کی ایک خواہش کی تکمیل کے لئے ایک ہال کی تعمیر کی سکیم پیش فرمائی اور صدر شوریٰ حضرت فضل عمر نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ آناً فاناً سٹیج پر ہی سجدہ میں گر گئے اور پھر آپ کی اتباع میں تمام ممبران سجدہ میں گر گئے۔ حضور نے سجدہ سے سر اُٹھایا تو آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا میرا خیال اس طرف منتقل ہوا کہ حضور کی اس تحریک میں یہ ذکر ہے کہ اس ہال میں اتنے آدمی بیٹھ سکیں۔ یہ ہال اگرچہ اس غرض سے نہیں بنایا گیا لیکن اس میں اس سے زیادہ آدمی سما سکیں۔

پھر آپ نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کا وہ واقعہ بیان فرمایا جب حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں چکی کا آٹا ان کی خدمت میں ہدیہ بھجوایا اور حضرت عائشہؓ کو جب اس کی روٹی بنا کر پیش کی گئی تو آپ آبدیدہ ہو گئیں کہ حضور ختم المرتبت

صلی اللہ علیہ وسلم آج زندہ ہوتے تو اس باریک آٹے کی روٹی پکا کر دیتی آپ ساری عمر موٹے آٹے کی روٹی کھاتے رہے۔

حضور یہ فرما رہے تھے کہ چوہدری اسد اللہ خان صاحب اپنی نشست سے اٹھے، جیب سے ایک خطیر رقم نکال کر بہتے آنسوؤں سے حضرت فضل عمر کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ بارش کا پہلا قطرہ بنے اور اس کے بعد پھر نقد روپوں اور وعدوں کی بارش ہوگئی۔ یہ نظارہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

پچھلے چند ماہ میں (1985ء کا ذکر ہے) سلسلہ کی کتنی بزرگ ہستیاں ہم سے رخصت ہوئیں۔ مکرم بشیر احمد صاحب کاہلوں، مکرم چوہدری محمد اسلم صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع سیالکوٹ یہ لوگ شمع احمدیت کے پروانے تھے۔ میں نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب کے بارہ میں ایک واقعہ سنا اور پھر خود ان سے اس کی تصدیق کروائی۔ تقسیم ملک کے بعد حضرت فضل عمر نے تحریک فرمائی تھی کہ صاحب استطاعت وقتی طور پر سلسلہ کی ضروریات کے لئے اپنی نصف آمد تک چندہ کو بڑھا دیں۔ محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب کو ایک مقدمہ کی پچاس ہزار فیس ملی تھی تو انہوں نے پچیس ہزار سلسلہ کی خدمت میں پیش کیا۔

ان بزرگوں کی جدائی پر دل متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ احمدیت نے اگر ان کی دین و دنیا سنواری تو یہ بھی احمدیت کے لئے جئے۔ ان کی جدائی پر دل اس لئے روتا ہے کہ یہ سماء احمدیت کی سج دھج کا باعث تھے۔ یہ غائب ہوئے ہیں تو خداوند! اس کی سج دھج میں فرق نہ آئے۔ احمدیت کو ایسے سپوت ملتے رہیں جن کے نیک نمونے، فدائیت، قربانی، ایثار، للّٰہیت سے احمدیت کو چار چاند لگتے رہیں۔

مجھے یاد ہے جب بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا کوئی رفیق ہم سے جدا ہوتا حضرت میاں بشیر احمد صاحب اسی مصرعہ کو عنوان بناتے اور آنے والی نسل کو اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے تلقین فرماتے۔ حضرت فضل عمر تو فرماتے تھے کہ:

"پہرہ بدل رہا ہے"

آپ نے کس درد سے نوجوان کو ایک نظم میں مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار　　سستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو

اور یہ نظم جب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی صدارت میں کسی نے جلسہ سالانہ پر پڑھی تو محترم چوہدری صاحب میز پر سر رکھ کر رونے لگے۔ میرے مولا! اس خلاء کو اپنے فضلوں سے پُر فرما۔ احمدیت کی امانت کے حاملین کو توفیق عطا فرما کہ وہ ان اعمال کی توفیق پائیں جو تیری رضا کا موجب ہوں۔ آمین یارب العالمین۔"

(ماہنامہ انصاراللہ جنوری 1986ء کے اداریہ سے انتخاب)

(اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر جانے والے بزرگان سلسلہ کے خلاء پُر فرمائے آمین۔)

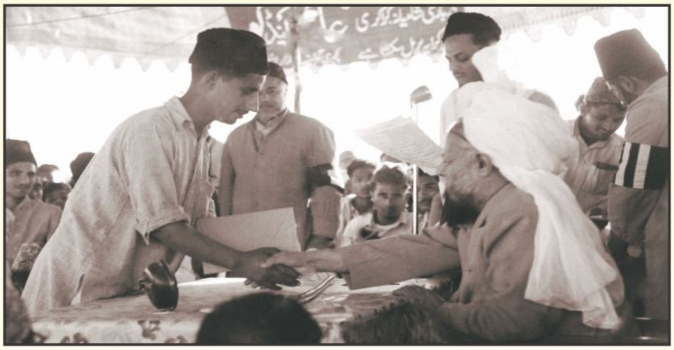

سیدنا حضرت مصلح موعود سے ایک اجتماع کے موقع پر انعام وصول کرتے ہوئے

1954ء جامعۃ المبشرین کے اساتذہ وطلباء ودیگر معززین کا سیدنا حضرت مصلح موعود کے ہمراہ گروپ فوٹو

ایستادہ: دائیں سے تیسرے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب، سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث،
مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، مکرم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب، بیٹھے ہوئے: مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

1966ء: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ایم اے عربی کی سند وصول کرتے ہوئے

1956: پرنسپل ٹی آئی کالج حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) سے بی اے کی ڈگری وصول کرتے ہوئے

1956ء: بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے موقع پر پرنسپل ٹی آئی کالج حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ)، اساتذہ کرام و دیگر طلباء کے ہمراہ

اراکین مجلس انصاراللہ مرکزیہ و دیگر بزرگان سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہمراہ

29 دسمبر 1991ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان: ناظران، وکلاء اور دیگر معززین حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہمراہ

بر موقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 1989ء: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

14/جنوری 1992ء: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی قادیان سے روانگی کے موقع پر

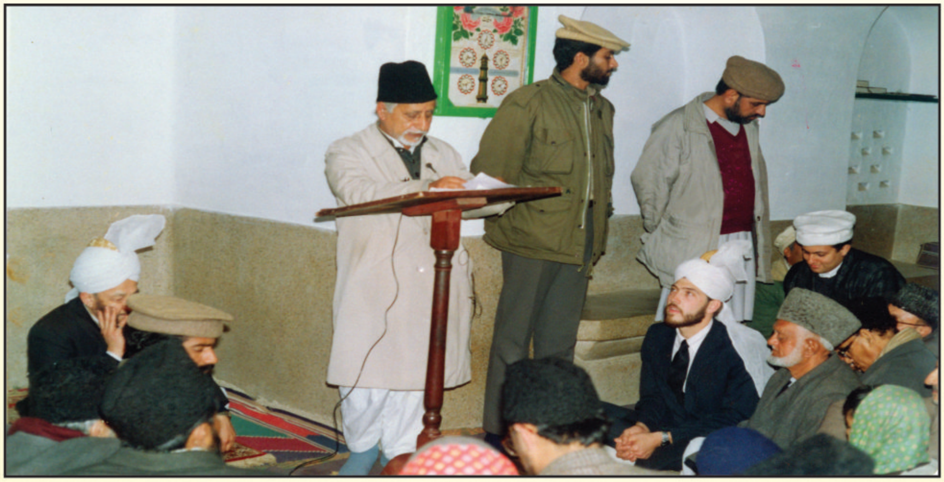

12/جنوری 1992ء: بیت مبارک قادیان میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی موجودگی میں ایک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے

2004ء: برموقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ　　مکرم محمد عثمان چینی صاحب

مئی 2002: دائیں سے بائیں تیسرے نمبر پر: مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب، مکرم مولانا دوست محمد شاہ صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الخامس) مکرم اظہر احمد بزمی صاحب (برموقع نکاح)

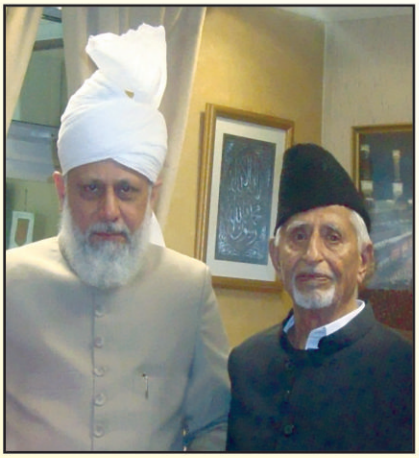

جولائی 2011ء: برموقع جلسہ سالانہ برطانیہ

جلسہ سالانہ برطانیہ 2008ء کے موقعہ پر شاملین جلسہ واقفین زندگی کا حضور انور ایدہ اللہ کے ساتھ گروپ فوٹو

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: مکرم مولانا محمد صدیق گورداسپوری صاحب، مکرم مولانا محمد انعام غوری صاحب، مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب، سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، مکرم نواب منصور احمد خان صاحب، مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

مکرم محمد عثمان چینی صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

برموقع جلسہ برطانیہ 1989ء حضرت مولوی محمد حسین صاحب (سبز پگڑی والے) مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب

26/دسمبر 1991ء: برموقعہ جلسہ سالانہ قادیان۔ مکرم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب دیگر دوستوں کے ہمراہ

احباب کرام کا ایک گروپ فوٹو: جنوری 1963ء بمقام ربوہ

بائیں سے دائیں: بیٹھے ہوئے ....(؟) مکرم عبدالعزیز بھانبڑی صاحب، مکرم عبدالعزیز صادق صاحب، مکرم محمد حنیف قمر صاحب (سائیکل سیاح)، مکرم حکیم علی احمد صاحب، ....(؟)

کرسیوں پر: حضرت مولوی محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے، مکرم شیخ عبدالقادر صاحب سوداگرمل، مکرم مولوی چراغ دین صاحب، مکرم مولوی احمد خان صاحب نسیم، حضرت قاضی محمد نذیر صاحب، حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب، مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب، (؟)، مکرم مولانا قمر الدین صاحب

پہلی قطار: مکرم شیخ عبدالواحد صاحب مربی فجی، مکرم محمد اشرف ناصر صاحب، مکرم محمد احمد نعیم صاحب، مکرم سید احمد علی صاحب، مکرم عزیز الرحمن منگلا صاحب، مکرم محمد شفیع اشرف صاحب، مکرم نصیر احمد خان صاحب، مکرم محمد اجمل شاہد صاحب، مکرم محمد اکبر افضل صاحب، مکرم برکت اللہ محمود صاحب، مکرم خواجہ خورشید احمد سیالکوٹی صاحب، **مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب**، مکرم قریشی مقبول احمد صاحب، مکرم قریشی سعید احمد اظہر صاحب

دوسری قطار: مکرم عبدالحکیم جوزا صاحب، مکرم مرزا محمد سلیم صاحب، مکرم عبدالعزیز وینس صاحب، مکرم محمد اسد اللہ کاشمیری صاحب، مکرم دین محمد شاہد صاحب، مکرم راجہ خورشید احمد منیر صاحب، مکرم عبدالمنان شاہد صاحب، مکرم بشیر احمد قمر صاحب، مکرم محمد صدیق ننگلی صاحب، مکرم محمد اشرف ممتاز صاحب، مکرم عبدالکریم کاٹھگری صاحب، مکرم مولوی مہر دین صاحب، مکرم عبدالمجید منیب صاحب

تیسری قطار: مکرم نصیر احمد ناصر احمد صاحب، مکرم حافظ محمد سلیمان صاحب، مکرم محمد عمر سندھی صاحب

سوانحی خاکہ
مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

12 جنوری 1932ء: ولادت

ابتدائی مسکن: بھیج بہاڑا، کریل، آسنور (کشمیر)

1937ء تا 1941ء: پرائمری تک تعلیم آسنور سے حاصل کی۔

1941ء: قادیان میں آمد

1941ء تا 1945ء: مدرسہ میں تعلیم و تربیت

جون 1947: قادیان سے سفر کشمیر

1949: جامعہ احمدیہ احمد نگر میں

1949ء: لاہور سے سفرِ کشمیر

11 نومبر 1950ء: باقاعدہ زندگی وقف کی۔

1953ء: پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ یونیورسٹی بھر میں اول رہے۔

1955ء: ٹی آئی کالج سے بی اے کیا۔

27 فروری 1956ء: بطور مربی سلسلہ پہلا تقرر۔

1961ء: شادی

1964ء تا 1967: مجلّہ جامعہ احمدیہ ربوہ میں بعض علمی و تحقیقی مضامین لکھے۔

مارچ 1966ء: ٹی آئی کالج سے ایم اے عربی۔

1973ء تا مئی 1986ء: بطور پرنٹر ماہنامہ خالد و تشحیذ الاذہان خدمات پر مامور رہے۔

1977ء تا 1979: بطور ایڈیٹر ماہنامہ انصاراللہ خدمات کی توفیق پائی۔ اس دوران بعض تحقیقی مضامین تحریر کئے۔

29 جون 1982: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو ناظر اشاعت مقرر فرمایا اور تا دم زیست اس عظیم الشان خدمتِ سلسلہ پر مامور رہے۔

نومبر 1985ء تا جنوری 1986ء: بطور مدیر ماہنامہ انصار اللہ دوبارہ تقرر۔ اس دوران رسالہ انصار اللہ کا حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا ضخیم نمبر مشتمل بر 176 صفحات نکالنے کی سعادت حاصل کی۔

1989ء: قادیان سے آخری سفر کشمیر

1991ء: تاریخی جلسہ قادیان میں شمولیت۔ آپ کو متعدد بار جلسہ سالانہ قادیان میں شامل ہونے نیز جلسہ قادیان کے بعض سیشنز کی صدارت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

جنوری 1992: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر بیت مبارک قادیان میں حضور کی موجودگی میں بعض نکاحوں کے اعلان کی سعادت حاصل کی۔

2009ء: آخری بار جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت

2011ء: آخری بار جلسہ سالانہ برطانیہ میں شمولیت

25 مارچ 2011ء: آپ کی اہلیہ مکرمہ امۃ الودود صاحبہ کی وفات

18 دسمبر 2011ء: آپ طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ میں بعمر 80 سال اس دارِفانی سے دارِجاودانی کو کوچ کر گئے

19 دسمبر 2011ء: تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ

23 دسمبر 2011ء:
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مکرم و محترم شاہ صاحب کی خدمات سلسلہ اور سیرت و سوانح کے بارہ میں پُر معارف خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

☆☆☆☆☆☆

''جماعت کا عظیم سرمایہ''

''اُن کے چہروں پر ہر وقت ایک سکون نظر آتا ہے گویا نفسِ مطمئنہ کی تصویر بنے ہوتے ہیں''

''بڑے صائب الرائے، سادہ مزاج، شریف النفس، معاملہ فہم، حلیم الطبع، مدبّر، کم گو اور ہمیشہ نپی تلی بات کرنے والے تھے''

یہ خادمِ سلسلہ آخر دم تک سلسلہ کیلئے وقف رہا اور حتی المقدور سلسلے کے کام کو ہر دوسری بات پر ترجیح دی

سیدنا حضرت خلیفة المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ کا اظہارِ خوشنودی

سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفة المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 23/دسمبر 2011ء بمطابق 23/فتح 1390 ہجری شمسی کو بمقام بیت الفتوح، مورڈن لندن میں خطبہ جمعہ میں محترم شاہ صاحب موصوف کے بارہ میں فرمایا:

''جو انسان دنیا میں آیا ایک دن اُس نے رخصت ہونا ہے، یہ قانونِ قدرت ہے اس سے کسی کو مفر نہیں۔ قرآن کریم میں بھی کئی جگہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:186)

کہ ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے، کہہ کر مختلف رنگ میں اس طرف توجہ دلائی کہ انسان کو اپنی موت کو سامنے رکھنا چاہئے کہ اسی سے پھر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی ذات کے باقی رہنے اور باقی ہر چیز جو اس زمین پر ہے بلکہ اس کائنات میں ہے، بلکہ کائناتوں میں ہے، سب کے فنا ہونے کی خبر دی ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کی ذات ہی باقی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک مؤمن کو اس دنیا کی زندگی سے زیادہ اگلے جہان کی زندگی کی طرف توجہ دلائی ہے جو حقیقی اور لمبی زندگی ہے۔ جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے کی وجہ سے اُس کے انعامات کا بھی وارث ہوگا اور نافرمانی کی وجہ سے سزا پانے والا بھی ہوسکتا ہے۔ پس خوش قسمت ہیں ہم میں سے وہ جو اس دنیا پر اگلی دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کی کوشش کرتے

جو اپنی جان اللہ کی رضا کے حصول کیلئے بیچ ڈالتے ہیں اُن کے چہروں پر ہر وقت ایک سکون نظر آتا ہے

ہیں۔ اُس حقیقی دلدار کو راضی کرنے کیلئے اپنی زندگی کا اکثر حصہ گزارتے ہیں یا یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس طرح گزاریں جس سے دلدار راضی ہو۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہیں اور اس کیلئے ہر قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں۔ اس حد تک آگے چلے جاتے ہیں کہ خدمتِ دین کے علاوہ اُنہیں کوئی دوسری دلچسپی نظر ہی نہیں آتی۔ دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہیں تو اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ حقوق العباد بھی ادا کرو کہ یہ بھی دین ہے۔ اپنے عہدوں کو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے نبھاتے ہیں اور اس کے نبھانے کے لئے راستے کی کسی روک کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اُن کے سامنے عسر میں یسر میں، تنگی میں، آسائش میں، بیماری میں، صحت میں، صرف ایک مقصد ہوتا ہے کہ مَیں نے اپنے خدا سے جو عہد کیا ہے اُسے پورا کرنے والا بن سکوں۔ جو امانت میرے سپرد ہے اُس کے ادا کرنے کا حق ادا کرنے والا بن سکوں۔ ایسے

لوگوں کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقرة:208) اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اپنی جان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کیلئے بیچ ڈالتے ہیں۔ اُن کے چہروں پر ہر وقت ایک سکون نظر آتا ہے۔ گویا نفسِ مطمئنہ کی تصویر بنے ہوتے ہیں۔

جماعت کا عظیم سرمایہ

گزشتہ دنوں ان خوبیوں کے مالک ہمارے ایک بزرگ کی وفات ہوئی ہے جو یقیناً جماعت کا عظیم سرمایہ تھے جن کا نام محترم سید عبدالحی شاہ صاحب ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ اس جماعتی نقصان کو محض اور محض اپنے فضل سے پورا فرمائے۔ اُن کے بیشمار نعم البدل پیدا فرمائے تا کہ احمدیت کا یہ قافلہ اپنی منزلوں کی طرف ہمیشہ اور تیزی سے رواں دواں رہے۔

اس وقت مَیں محترم سید عبدالحی صاحب کا کچھ ذکرِ خیر کروں گا۔ مکرم شاہ صاحب 12 رجنوری 1932ء کو کریل ضلع انت ناگ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو پھر یہ قادیان آ گئے تھے اور قادیان آنے کے بعد پھر وہیں سے جب ہندوپاک کی پارٹیشن ہوئی ہے تو یہ پاکستان آئے۔ ان کی والدہ کشمیر میں ہی تھیں۔ اُن سے یہ علیحدہ ہوئے ہیں تو پھر چالیس سال کے بعد اُن کو جا کر مل سکے ہیں۔ چالیس سال تک اپنی والدہ کو نہیں مل سکے اور یہ جدائی انہوں نے دین کی خاطر برداشت کی۔

ان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ان کے دادا سید محمد حسین شاہ محلّہ خانیار سری نگر کے گیلانی سید خاندان کے فرد تھے۔ اس خاندان کے افراد نے مذہبی اختلافات کی بنا پر آبائی علاقہ کو چھوڑا اور علاقہ ناڑواد میں مقیم ہو گئے۔ ان کے ایک فرزند سید عبدالمنان شاہ صاحب تھے جنہوں نے جوانی میں بیعت کی اور احمدی ہوئے بلکہ بچپن میں ہی انہوں نے احمدیت قبول کر لی تھی اور پیری مریدی کو احمدیت پر قربان کر دیا تھا۔ انہوں نے انتہائی عاجزی اور انکساری سے زندگی گزاری۔

تاریخ احمدیت جموں وکشمیر میں مکرم عبدالحی شاہ صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ مکرم سید عبدالحی صاحب شاہد 1941ء میں قادیان آئے اور اور 1945ء میں (دین حق) کیلئے زندگی وقف کر کے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ تقسیمِ ملک کے بعد 1949ء میں احمد نگر ضلع جھنگ میں دوبارہ جامعہ احمدیہ میں آئے۔ 1953ء میں مولوی فاضل پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اول قرار پائے۔ 1955ء میں جامعۃ المبشرین سے شاہد پاس کیا۔ بعد میں ایم۔اے عربی بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جموں وکشمیر مصنفہ محمد اسد اللہ قریشی صفحہ 132)

اور بڑے تحقیقی کام سرانجام دیتے رہے۔ خدام الاحمدیہ میں بھی ایک لمبا عرصہ ان کو خدمت کا موقع ملا۔ دو تین سال ماہنامہ انصاراللہ کے اور مجلّہ جامعہ کے مدیر رہے۔ تقریباً بارہ تیرہ سال پرنٹر خالد وتشحیذ الاذہان بھی رہے۔ ضیاء الاسلام پریس کے مینیجر اور پرنٹر رہے۔ مینیجنگ ڈائریکٹر الشرکۃ الاسلامیہ رہے۔ صدر بورڈ الفضل تھے۔ پہلے مینیجنگ ڈائریکٹر ایم۔ٹی۔اے پاکستان تھے۔ ڈائریکٹر فضلِ عمر فاؤنڈیشن اور طاہر فاؤنڈیشن تھے، ناظر اشاعت تھے اور یہ متعدد کمیٹیوں کے ممبر رہے ہیں۔ قائم مقام ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی کے فرائض کی ادائیگی کی بھی ان کو توفیق ملی۔ کشمیری زبان میں ترجمہ قرآن کی نظرِ ثانی کی توفیق پائی۔ بطور ناظر اشاعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا سیٹ روحانی خزائن کی کتابت اور پھر جدید کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن کی تیاری اور

بڑے صائب الرائے، سادہ مزاج، شریف النفس، معاملہ فہم، حلیم الطبع، مدبر، کم گو اور ہمیشہ نپی تلی بات کرنے والے تھے۔ ٹھوس علمی پسِ منظر کی وجہ سے ہر معاملے کی خوب گہرائی سے تحقیق کرتے تھے

نگرانی فرمائی۔ متعدد کتب کے انڈیکس بنائے اور پیش لفظ و تعارف لکھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے ترجمہ قرآن کے حوالے سے بھی بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے لیکچرز پر مشتمل کتاب ''ہومیوپیتھی'' کی تیاری میں بھی آپ نے بھرپور حصہ لیا۔

بڑے صائب الرائے، سادہ مزاج، شریف النفس، معاملہ فہم، حلیم الطبع، مدبر، کم گو اور ہمیشہ نپی تلی بات کرنے والے تھے۔ ٹھوس علمی پسِ منظر کی وجہ سے ہر معاملے کی خوب گہرائی سے تحقیق کرتے تھے اور اپنی پختہ رائے سے نوازتے تھے۔ خلفائے سلسلہ کی طرف سے موصول ہونے والے علمی موضوعات کی تحقیق اور حوالہ جات کی تخریج و تکمیل کو اول وقت میں انجام دینے کی کوشش کرتے تھے۔ کتب کی تیاری، طباعت، اشاعت تک کے مراحل میں اپنے عملے کی رہنمائی کرتے اور بڑے گہرے مشورے دیتے۔ آپ کے کاموں میں یہ چند اہم باتیں تھیں۔

پھر ناظر اشاعت کو پرنٹنگ کا بھی تجربہ ہونا چاہئے اور جیسا کہ الفضل اور دوسرے رسالوں کے پرنٹر و پبلشر تھے۔ اس لحاظ سے ان کو پرنٹنگ کے کاغذ کو چیک کرنے کی بڑی مہارت تھی۔ پریس مشینری کی ایک ایک چیز، اُن کی قسمیں، ٹیکنیکل معلومات آپ کو ازبر ہوتی تھیں۔ اسی طرح کتاب کی اشاعت ہو یا اخبارات کی طباعت، ہر معاملے میں بڑی معین اور ٹھوس رہنمائی فرماتے۔

پھر عبدالحی شاہ صاحب کے بارے میں الفضل میں بھی لکھا گیا ہے کہ اپریل 1945ء میں زندگی وقف کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن عہدِ وقف زندگی کا فارم 11/نومبر 1950ء کو پُر کیا۔ اور جیسا کہ مَیں نے پہلے بتایا کہ مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ پھر جامعہ میں داخلہ لیا اور جامعہ کی تعلیم کے دوران میٹرک کا امتحان یونیورسٹی میں چھٹی پوزیشن حاصل کر کے پاس کیا۔ جامعہ میں بھی ہر سال اللہ کے فضل سے پہلی پوزیشن لیتے رہے۔ اسی طرح مولوی فاضل کے امتحان میں صوبہ بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

فروری 1956ء میں ان کی پہلی تقرری ہوئی اور مختلف شعبہ جات میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 29/جون 1982ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کو ناظر اشاعت مقرر فرمایا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے علمی نکات سے مزین درس القرآن میں حوالہ جات کی تخریج کے ذریعے معاونت کا شرف حاصل کیا۔ روزانہ رات تین تین بجے تک اپنی ٹیم کے ساتھ بیٹھ کر آپ نے یہ کام سرانجام دیا۔ جب تک جملہ امور مکمل کر کے لندن فیکس نہ کر دیتے تھے، آرام نہیں کرتے تھے۔ خطبات وغیرہ کے لئے بھی علمی معاونت کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ترجمہ قرآن کی اور ہومیوپیتھی کی جو کتاب تھی اُس کی تدوین ٹیم کے ممبر تھے۔ اس سلسلے میں اپنے مفوضہ کاموں کو بہت خوش اسلوبی سے مکمل کیا۔ تراجم قرآن منصوبہ کے تحت قرآنِ کریم کے پنجابی، سندھی، پشتو اور سرائیکی زبانوں میں تراجم کی تکمیل و اشاعت کی توفیق ملی۔

(ماخوذ از روزنامہ الفضل 21 دسمبر 2011ء صفحہ 1و8)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ایک دفعہ 6/ستمبر 1997ء کو خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا کہ ''سید عبدالحی صاحب میں مَیں نے یہ خوبی دیکھی

''سید عبدالحی صاحب میں مَیں نے یہ خوبی دیکھی ہے کہ جب بھی ان کو کوئی معین بات سمجھا دی جائے،......کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کو میں نے کسی کتاب کے متعلق ہدایت کی ہو اور بعینہٖ وہی چیز انہوں نے تیار نہ کی ہو''

ہے کہ جب بھی ان کو کوئی معین بات سمجھا دی جائے، خواہ وہ ذاتی علم نہ بھی رکھتے ہوں، ذاتی علم والوں کی تلاش کرتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کو میں نے کسی کتاب کے متعلق ہدایت کی ہو اور بعینہٖ وہی چیز انہوں نے تیار نہ کی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک گہری فراست حاصل ہے۔ بہت باریک بینی سے چیزوں کا مطالعہ کرتے ہیں''۔

(خطبہ جمعہ 26 ستمبر1997ء بحوالہ الفضل ربوہ 14 فروری 1998ء صفحہ 3)

پھر اب جب 2008ء میں مَیں نے ان کو کہا کہ روحانی خزائن کی کمپیوٹرائز ڈ اشاعت ہونی چاہئے، پرنٹنگ ہونی چاہئے تو بڑی محنت سے انہوں نے اُس کام کو سرانجام دیا۔ اس سیٹ کا جو نیا کمپیوٹرائزڈ سیٹ چھپا ہے، اس کی بہت سی خصوصیات کے علاوہ عبدالحی شاہ صاحب نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ یہ ایڈیشن روحانی خزائن کے سابقہ ایڈیشن کے صفحات کے عین مطابق رہے تا کہ جماعتی لٹریچر میں گزشتہ نصف صدی سے آنے والے جو حوالہ جات ہیں اُن کی تلاش میں سہولت رہے۔ اس کے علاوہ اس سیٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض مضامین، عربی نظمیں وغیرہ جو کسی وجہ سے پہلے نہیں شائع ہو سکی تھیں، وہ بھی اس میں شامل کی گئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا اردو زبان میں جو قرآنِ کریم کا ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کے آغاز میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے اظہارِ تشکر کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ:

''قرآنِ کریم کا جو یہ ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے اس کی تیاری میں میرے ساتھ یہاں لندن سے علماء کی ایک ٹیم نے مسلسل کام کیا ہے۔ اسی طرح مرکزِ سلسلہ ربوہ میں بھی علماء کی ایک ٹیم مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب (ناظر اشاعت) کی قیادت میں ترجمہ پر نظرِ ثانی کر کے قیمتی مشوروں اور آراء سے میری معاونت کرتی رہی ہے۔ ان سب کی اگر اجتماعی مدد میرے ساتھ نہ ہوتی تو مجھ اکیلے کے لئے یہ کام ممکن نہیں تھا''۔

(قرآن کریم اردو ترجمہ زیر ''اظہار تشکر''۔)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1997ء کے اپنے ایک خط میں محضر نامہ جو شائع ہوا تھا اور اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا، کے حوالے سے فرمایا کہ:

''محضر نامہ بہت اچھا شائع ہو گیا ہے۔ بہت خوشی ہوئی ہے۔ ماشاء اللہ آپ بہت محنت اور سلیقے سے کام کرتے ہیں''۔

(مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بنام مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب بتاریخ 14 اپریل 1997ء)

پھر ایک خط میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے شاہ صاحب کو لکھا کہ:

''آپ کی مرسلہ رپورٹ (562/10-5-93 تاریخ فلاں کو) موصول ہوئی۔ ماشاء اللہ بڑا بھرپور کام کر رہے ہیں اور بہت Productive ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ واحد ناظر ہیں کہ جنہیں مفوضہ کاموں کیلئے کبھی یاد دہانی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآء. اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وَبَارِکْ''۔ (آگے پھر خط ہے)

(مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بنام مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب بتاریخ 9 جون 1993ء)

اللہ تعالیٰ نے اُن کو کام کرنے کی بڑی توفیق بھی عطا فرمائی۔ ان تمام تعریفی کلمات نے اُن میں مزید عاجزی پیدا کی اور محنت کی طرف مزید توجہ پیدا ہوئی۔ یہ نہیں کہ تعریفی

کلمات ہوگئے ہیں تو پھر کام میں کمی آ جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو ملفوظات کی جلدیں ہیں اُن کو پاکستان میں دس سے پانچ میں تبدیل کیا گیا اور ان جلدوں میں موجود تمام قرآنی آیات، تمام قرآنِ کریم کے حوالہ جات درج کئے گئے۔ حسبِ ضرورت نئے عناوین قائم کئے۔ قارئین کی سہولت کے لئے ہر جلد کے آخر میں مضامین، آیاتِ قرآنی، اسماء اور مقامات کے انڈیکس نئے سرے سے مرتب کئے گئے۔ لیکن اب پچھلے سال یا اسی سال کے جلسے پر جب آئے تو مَیں نے اُن کو کہا کہ پانچ جلدوں کے بجائے دوبارہ دس جلدوں میں اُس کو بدل دیں اور وہاں بھی اسی طرح پرنٹ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے ہلکا سا بھی یہ اظہار نہیں کیا کہ اتنی محنت کر کے ہم نے اس کو پانچ جلدوں میں سمیٹا ہے اور اس طرح انڈیکس بنائے ہیں تو دوبارہ اس کو پھیلانے میں کچھ دقت ہوگی۔ بغیر کسی ہلکے سے بھی اظہار کے فوراً انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اس کو دس جلدوں میں دوبارہ شائع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ملفوظات وہ کتابیں ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر مشتمل ہیں۔ اس میں volume چھوٹا ہو جائے تو پڑھنے میں زیادہ آسانی ہو جاتی ہے۔ آدمی ہر وقت ساتھ سفر میں، چلتے ہوئے، لیٹے ہوئے کسی وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ چھوٹی جلد میں بہ نسبت بھاری جلد کے میرے خیال سے زیادہ فائدہ رہتا ہے اور پڑھنے میں آسانی رہتی ہے۔ تو بہرحال انہوں نے فوراً اس پر کام شروع کر دیا۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تفسیرِ کبیر پر مشتمل علوم و معارف کا جو بیش بہا اور نایاب خزانہ ہے اس کی بہت سی مختلف جلدیں ہیں جو دس جلدوں کے ایک سیٹ کی شکل میں شائع شدہ ہیں۔ انہوں نے پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے اُن کا بھی ایک بڑا Comprehensive قسم کا انڈیکس بنا دیا ہے جس میں اسماء ہیں، جغرافیائی مقامات ہیں، حل لغات کے مکمل انڈیکس ہیں۔

آپ انجمن کی مختلف کمیٹیوں کے ممبر رہے۔ مشاورتی پینل شعبہ تاریخِ احمدیت، مجلسِ افتاء، خلافت لائبریری کمیٹی، منصوبہ بندی کمیٹی، آڈیو وڈیو کیسٹس محفوظ کرنے کی کمیٹی، تبرکات کے محفوظ کرنے کی کمیٹی، صد سالہ خلافت جوبلی کمیٹی کے ممبر رہے۔ اسی طرح آپ کو اسیرِ راہ مولیٰ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ الفضل بورڈ کے آپ صدر تھے۔

عبدالحی شاہ صاحب اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سے کی۔ کہتے ہیں کہ حضور کی پُر رعب شخصیت اور شفقت کے تعلق میں یہ بات بھی مجھے یاد آئی ہے کہ جب حضور نے سلسلے کے بعض اہم کام میرے سپرد فرمائے تو پہلی محکمانہ ملاقات میں جب حضور نے خاکسار کو یاد فرمایا تو مَیں حضور کے سامنے گیا تو میرے ہاتھ فرطِ رعب سے لرز رہے تھے۔ حضور نے انتہائی ملاطفت سے خاکسار کو فرمایا۔ نروس ہونے کی کیا بات ہے؟ کام کو اچھی طرح مجھ سے سمجھ لیا کرو اور اُسے پوری محنت سے کرو۔ پھر میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا جس سے میری یہ حالت جاتی رہی۔ حضور اعتماد کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے اور جب حضور کسی پر اعتماد کر لیتے تھے تو پھر اُس کو بھرپور شفقت، رہنمائی اور عفو و درگزر سے نوازتے تھے اور نوازتے ہی چلے جاتے تھے۔

(ماخوذ از ماہنامہ خالد ''سیدنا ناصر نمبر'' اپریل مئی 1983ء صفحہ 156)

لکھتے ہیں کہ ایک مقدمہ کے سلسلے میں میری گرفتاری کے وارنٹ نکلے۔ (وہاں پاکستان میں رسالوں کے ایڈیٹرز اور پرنٹرز وغیرہ پر وارنٹ گرفتاری تو بہت سارے نکلتے رہتے تھے تو ان کے بھی وارنٹ گرفتاری نکلے)۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ

کو جب پتہ لگا آپ نے اُن کو بلایا۔ ساتھ وکلاء کو بلایا۔ میٹنگ ہوئی۔ اُس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب ہم چلے آئے تو حضور نے اپنے ایک بیٹے کو بھجوایا کہ عبدالحی کو کہو: گھبرانا نہیں۔مَیں اس کے لئے دعا کروں گا۔

(ماخوذ از ماہنامہ خالد ''سیدنا ناصر نمبر'' اپریل مئی 1983ء صفحہ 157)

آگے خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے اُس بیٹے کا یہ حوالہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جانے کے بعد مجھے بلا کر کہا کہ دیکھو! ابھی یہاں سے شاہ صاحب وغیرہ گئے ہیں۔ایک کیس ہے انہوں نے لاہور یا اسلام آباد جانا تھا۔ابھی گئے نہیں ہوں گے۔اُن کو جا کر کہو کہ اُن کے جانے کے فوراً بعد پریشانی میں جب مَیں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ میری زبان پر جاری فرمائے کہ ؂

''کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو''

(ماخوذ از ماہنامہ خالد ''سیدنا ناصر نمبر'' اپریل مئی 1983ء صفحہ 37)

اس لئے پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ چند دن میں (ان کے خلاف ایک بڑا خوفناک کیس بنایا گیا تھا، بڑا سنگین قسم کا کیس تھا) وہ سب معاملہ ختم ہو گیا۔تو اللہ تعالیٰ کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو یہ بتانا، اس بات کی بھی سند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں محترم شاہ صاحب کا شمار نیک بندوں میں ہوتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہتے ہیں۔لیکن ایک اور موقع پر بعد میں اُن پر کیس ہوا تو اسیر راہ مولیٰ ہونے کا بھی اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا۔

یہ کیس جو اُن پر بنایا گیا، یہ ایک پمفلٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مصرعہ پر تھا کہ ''یہی ہیں پنجتن جن پر بنا ہے'' جو لجنہ کی طرف سے رسالے میں شائع ہوا تھا۔ جب یہ شائع ہوا تو اس پر سیکرٹری لجنہ، اُن کے کاتب محمد ارشد صاحب اور سید عبدالحی شاہ صاحب پر یہ مقدمہ قائم کر دیا گیا اور عبدالحی شاہ صاحب اور محمد ارشد صاحب کو کئی روز حوالات میں رکھا گیا اور ان پر مقدمہ کئی ماہ جاری رہا۔

عظیم واقف زندگی

ایک مربی صاحب نے لکھا کہ شاہ صاحب بتاتے ہیں شروع میں واقفِ زندگی کو الاؤنس بہت تھوڑا ملا کرتا تھا، جس سے گزارہ بڑی مشکل سے ہوا کرتا تھا تو اس پر میرے سُسر نے ایک دفعہ مجھے کہا کہ تم دنیاوی لحاظ سے بھی بہت زیادہ پڑھے لکھے ہو اس لئے تم دنیا کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟ مَیں نے اُنہیں کہا (شاہ صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے اُنہیں کہا کہ) مَیں نے دو معاہدے کئے ہوئے ہیں۔ایک معاہدہ تو یہ شادی کا آپ کی بیٹی کے ساتھ ہے اور دوسرا خدا کے ساتھ وقفِ زندگی کا عہد ہے۔اب آپ بتائیں کونسا عہد توڑوں؟ اور پھر کہتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے اُن کو کہا کہ اگر پہلا عہد قائم رکھتے ہوئے دوسرے عہد کو توڑ دوں تو یہ کس طرح ہو گا؟ اس بات کو سُن کے اُن کے سسر خاموش ہو گئے اور آئندہ کبھی پھر اس موضوع پر بات نہیں کی۔شاہ صاحب کہتے ہیں، خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری زندگی بے حساب نوازا ہے۔ پرانے بزرگوں کی یہ بھی ایک نیک فطرت تھی کہ آپ کے سسر کو وقتی طور پر آپ کی حالت دیکھ کر جو ایک بشری تقاضا بھی ہے خیال آیا لیکن آپ کے جواب سے بالکل خاموش ہو گئے کہ خدا سے عہد توڑنے کا تو ایک احمدی کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا اور اس سے شاہ صاحب کے توکل کا بھی پتہ چلتا ہے اور اُس وقت خدا تعالیٰ نے بھی آپ کے توکل اور عہد کی پابندی کے جذبات کو ایسا نوازا کہ کہتے ہیں پھر ساری زندگی کبھی مجھے کوئی تنگی نہیں ہوئی۔

اپنے ماتحتوں سے حسنِ سلوک اور جذبات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ان کے اکاؤنٹنٹ بتاتے ہیں کہ شاہ صاحب کے

ساتھ پندرہ سال کام کیا ہے۔ مجھے سوائے ایک واقعہ کے اور کوئی موقع یاد نہیں جب آپ نے کبھی شدید غصے کا اظہار کیا ہو اور ہوا یہ تھا کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ہم نے ایک دفتر کو کچھ کتابیں محترم شاہ صاحب کو بتائے بغیر دے دی تھیں۔ جب کسی دوست نے محترم شاہ صاحب کو اس امر کے بارے میں بتایا تو شاہ صاحب نے شدید برہمی کا اظہار فرمایا اور شاہ صاحب کی ناراضگی کی وجہ سے میں دو دن تک آپ کے کمرے میں نہیں گیا۔ دو روز بعد آپ نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور مسکرائے اور آپ کے سامنے بسکٹ وغیرہ پڑے ہوئے تھے وہ آپ نے مجھے دیئے۔

ایک اور ان کے مددگار کارکن محمد اقبال صاحب ہیں وہ لکھتے ہیں۔ کہ بیس سال کا عرصہ ہوگیا ہے ہمیشہ بیٹوں کی طرح ہمارے ساتھ سلوک رہا۔ کارکنان کے ساتھ ہمیشہ بہت پیار اور محبت کا سلوک رہا اور آپ کا رنگ حد درجہ درویشانہ تھا۔ اگر کسی کارکن کی مدد کرتے تو دوسرے کو اس کا علم بھی نہ ہونے دیتے۔ اسی طرح اگر اپنا ذاتی کام کرواتے تو باقاعدہ حق ادا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اگر کسی کارکن کے بچے کی شادی ہوتی تو جس حد تک مدد کر سکتے تھے آپ کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بیشمار ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے۔

وسعتِ علمی

اُن کی وسعتِ علمی کے بارے میں عبدالمجید عامر صاحب جو ہمارے یہاں عربی ڈیسک کے ہیں، لکھتے ہیں کہ جب سے خاکسار نے روحانی خزائن کا ترجمہ شروع کیا ہے اُن کے ساتھ تعلق رہا۔ خاکسار کو بعض مشکل مقامات کے حل کے سلسلے میں اُن سے رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت پڑتی تھی۔ محترم شاہ صاحب نے ہر دفعہ خندہ پیشانی سے نہایت محققانہ اور عالمانہ رنگ میں بروقت رہنمائی فرمائی۔ خاکسار کے تأثرات پر ان کا جواب ہمیشہ بہت مدلّل اور تسلی بخش اور سوال کے تمام جوانب پر، ہر پہلو پر پوری طرح محیط اور ساتھ ہی شفقت اور اخلاقِ عالیہ کی چاشنی سے پُر ہوا کرتا تھا۔ اگر خاکسار کوئی تجویز پیش کرتا تو بڑی خندہ پیشانی سے اُسے قبول فرماتے۔ اُن کی شفقتوں کا یہ سلسلہ تادمِ آخر جاری رہا۔

مبشر ایاز صاحب لکھتے ہیں کہ جامعہ کی سالانہ کھیلوں پر تقسیمِ انعامات کے لئے سلسلہ کے بزرگوں میں سے بعض خصوصی مہمان بلائے جایا کرتے تھے۔ ایک سال جن بزرگ خادم سلسلہ کو بلایا گیا اُن کا تعارف کرواتے ہوئے مکرم پرنسپل صاحب جامعہ احمدیہ نے فرمایا کہ کام کرنے والے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو ایک ہاتھ سے کام کرتے ہیں اور ایک ہاتھ سے تالی بجاتے رہتے ہیں یعنی اپنے کاموں کو مشہور کرتے رہتے ہیں۔ بتاتے بھی ہیں کہ ہم نے یہ کام کیا اور وہ کام کیا۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جو دونوں ہاتھوں سے تالی بجا رہے ہوتے ہیں اور کام وام کچھ نہیں کر رہے ہوتے، شور شرابہ زیادہ ہوتا ہے، پراپیگنڈہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دونوں ہاتھوں سے کام کرتے رہتے ہیں اور اُنہیں کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اُن کے کام کو کوئی دیکھے اور اُن کی واہ واہ ہو۔ آج ایسے ہی خادمِ سلسلہ ہمارے مہمان ہیں یعنی سید عبدالحی شاہ صاحب۔ تو یہ سو فیصد درست بات ہے۔ مَیں نے ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ بڑی خاموشی سے کام کرتے چلے جاتے تھے۔ بیمار تھے، پاؤں سوجے ہوتے تھے۔ ایک دن مَیں نے اُن کو پوچھا بھی کہ آپ کے پاؤں سوجے ہوتے ہیں، تکلیف نہیں ہوتی؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے تو کام کرتے وقت کبھی احساس نہیں ہوا، میں کام میں اتنا جُت جاتا ہوں کہ مجھے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ انجمن کے اجلاسوں میں مَیں

نے دیکھا ہے بہت کم بولتے تھے لیکن جب بولتے تھے تو بڑی ٹھوس صائب رائے ہوتی تھی۔

پھر مبشر ایاز صاحب ہی لکھتے ہیں کہ خاکسار کو جب اُن کے کچھ قریب ہونے کا موقع ملا اور پھر کچھ عرصہ اُن کے نائب کے طور پر کام کرنے کا بھی موقع ملا تو اُنہیں واقعی ایسا ہی پایا۔ خاموش طبع، درویش صفت، انتھک محنت کرنے کے ساتھ اور بھی بیشمار خوبیوں کا مالک پایا۔ دفتر آتے ہی کام میں گویا جُت جاتے تھے۔ پنجابی میں محاورہ ہے ''سر سُٹ کے'' کام کرنا شروع کر دیتے تھے۔ دفتری خطوط سے لے کر روحانی خزائن اور قرآنِ مجید کی پروف ریڈنگ تک کا کام خود کرتے اور پھر اس خادم اور قابلِ رشک اور تقلید خادمِ سلسلہ کو کچھ پتہ نہ چلتا کہ کب چھٹی ہوئی ہے اور لوگ جا بھی چکے ہیں۔ کام کرتے کرتے پاؤں سوج جایا کرتے لیکن یہ اللہ کا بندہ کام کام اور صرف کام کرتا رہتا۔ بے غرض اور بے نفس اور ایک درویش صفت انسان تھے۔ بہت قریب سے خاکسار کو دیکھنے کا موقع ملا۔ دکھاوا اور نمود و نمائش تو چھو کر بھی نہیں گزری۔ حلیمی اور چشم پوشی انتہا کی تھی۔ سلسلے کی تاریخ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اور مأخذ تھے۔ باوجود کثرتِ کار کے ہنس مکھ تھے۔ درویش طبع اور عجز و انکسار کے پتلے تھے۔ مَیں نے خود مشاہدہ کیا کہ سلسلے کے پیسے کو بہت احتیاط سے اور سوچ سمجھ کر بلکہ کئی دفعہ سوچ کر خرچ کرتے تھے۔ بہت احساس تھا کہ سلسلے کا پیسہ ضائع نہ ہو۔ اپنے کارکنان کے ساتھ ہمدردی اور ستاری اور حلیمی کا بہت زیادہ مادہ تھا۔ لمبا عرصہ بیمار رہے لیکن بیماری کو اپنے کام میں روک نہیں بننے دیا۔

پھر اُن کے ایک اور مربی صاحب لکھتے ہیں کہ ذات میں اَنا اور کِبر کا ادنیٰ سا بھی شائبہ نہ تھا اور حقیقی طور پر ایک بے نفس، درویش صفت اور فرشتہ سیرت انسان تھے۔

ایک اور مربی صاحب لکھتے ہیں کہ جب روحانی خزائن کا کام ہو رہا تھا تو اُس وقت اس عاجز کو ایک واقعہ سے پتہ چلا کہ آپ کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر کس قدر یقین ہے۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ ہنری مارٹن کلارک والے مقدمے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر جگہ جج کا نام ڈگلس لکھا ہے، لیکن روحانی خزائن جلد 15 کتاب تریاق القلوب صفحہ 349 میں جج کا نام جے، آر، ڈریمنڈ اور جگہ کا نام پٹھانکوٹ لکھا ہے۔ اس کام کے لئے ریسرچ سیل اور تاریخ احمدیت والوں کو بھی لکھا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ دونوں کی رائے یکساں تھی کہ سہو کتابت ہے۔ لیکن مکرم شاہ صاحب کی رائے یہ تھی کہ اتنی بڑی سہو نہیں ہوسکتی اور آپ نے اس کے اوپر کوئی حاشیہ نہ دیا اور اس کو اسی طرح رہنے دیا۔ لیکن جب روحانی خزائن جلد 18 میں نزول المسیح کے اوپر کام ہو رہا تھا تو وہاں صفحہ 578 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے ''عبدالحمید دوبارہ ڈیڑھ سال بعد پکڑا گیا تو اُس سے وہی بات دوبارہ پوچھی گئی تو وہ اپنے بیان پر قائم رہا کہ مَیں نے عیسائیوں کے سکھلانے پر کہا تھا'' (یعنی دوسری دفعہ جب پکڑا گیا تو اس وقت جج دوسرا تھا جس کا وہ نام تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا، نہ کہ پہلی دفعہ)۔ پھر لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب کبھی بے چین نہیں ہوتے تھے اور ہمیشہ اپنے کارکنان کے ساتھ محبت کا سلوک کرنے والے تھے۔

بڑی محنت کرنے والے واقفِ زندگی

خلافت لائبریری ربوہ کے لائبریرین صاحب لکھتے ہیں کہ بہت ہی نافع الناس وجود تھے۔ خاکسار نے دیکھا ہے کہ وہ سلسلے کا کام بہت محنت اور لگن سے کرتے۔ اپنی بیماری کے باوجود پورا وقت کام کرتے رہتے۔ ہمیشہ اُن کے پاؤں سوجے رہتے تھے۔ اُن کو بیماری تھی۔ تکلیف تھی۔ دل کی

تکلیف بھی تھی۔ لکھتے ہیں کچھ ماہ قبل براہین احمدیہ کے ایڈیشن چیک کرنے سے متعلق ایک کام لندن سے آیا تھا (مختلف ایڈیشنز جو تھے اُن کو چیک کرنے کیلئے مَیں نے ایک کام سپرد کیا تھا) تو محترم شاہ صاحب نے خاکسار کو پیغام بھیجا (لائبریرین صاحب کو) کہ جتنے ایڈیشن براہینِ احمدیہ کے تھے اُن کو ایک کارٹن میں ڈال کر اکٹھے کر لیں۔ کہتے ہیں مَیں نے سب ایڈیشن اکٹھے کر کے ایک کارٹن میں ڈال دیئے اور پوچھا کہ چیک کروانے کے لئے لے آؤں؟ تو کہنے لگے۔ کیوں تکلیف کرتے ہو میں خود آجاتا ہوں۔ اور اس کے باوجود کہ چلنا مشکل تھا۔ لائبریری خود تشریف لائے اور براہینِ احمدیہ کے سارے ایڈیشن چیک کئے۔ کہنے لگے کہ پرانے ایڈیشن میں سے کوئی ضائع نہ ہو جائے اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ آ کر خود چیک کر لوں اور پھر کئی گھنٹے لگا کر خود چیک کئے۔

ہمارے عربی ڈیسک کے محمد احمد نعیم صاحب لکھتے ہیں کہ تفسیرِ کبیر کا تفصیلی انڈیکس تیار کرنا جب کہ کمپیوٹر بھی نہیں ہوتا تھا بہت محنت طلب اور باریک بینی کا متقاضی تھا جو آپ نے بڑی محنت سے تیار کیا۔ پھر آپ کی انکساری یہ ہے کہ موجودہ روحانی خزائن میں کئی ایک پرنٹنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں اور ترجمے کے دوران جب بھی ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے جہاں غلطی تھی بڑے حوصلے سے اعتراف کیا اور جہاں کوئی وضاحت ہو سکتی تھی مناسب وضاحت کی اور بہت جلد ایسے استفسارات کا جواب موصول ہو جاتا تھا۔ بڑی محنت سے انہوں نے پروف ریڈنگ بھی کی تھی لیکن بشری تقاضے کے تحت غلطیاں پھر بھی رہ جاتی ہیں اور اس کا ان کو صدمہ بھی بڑا تھا کہ اتنا خوبصورت پرنٹ شائع ہوا ہے تو اس میں غلطیاں نہیں رہنی چاہئے تھیں۔

ہمارے ایک مربی سلسلہ کلیم احمد طاہر صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے گیارہ سالوں میں آپ کو ہمیشہ کام میں ہی مصروف پایا۔ بہت ہی خاموش خدمت گزار تھے اور ہر کام بہت محنت اور ذمہ داری سے کرتے تھے۔ حیرت ہوتی تھی کہ اس عمر میں بھی ماشاءاللہ اتنا کام کرتے ہیں۔ پھر دفتر ٹائم کے بعد شام کو عربک بورڈ کے اجلاسات میں شامل ہوتے۔ آپ نے روحانی خزائن کے کام کے دوران ہر کتاب کا ایک ایک پروف خود لفظاً لفظاً پڑھا ہے۔

غرضیکہ بہت علمی آدمی تھے اور بڑی محنت کرنے والے واقفِ زندگی تھے۔ اپنے پرانے (مربیان) کو بتایا کرتے تھے کہ صدر انجمن احمدیہ کا میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب بہت سادگی تھی اور کفایت شعاری کی وجہ سے بہت سی سہولتیں جو غیر ضروری سمجھی جاتی تھیں وہ نہیں ہوتی تھیں اور چھت کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ اب تو ہر جگہ بجلی کے پنکھے چل رہے ہیں۔ یہاں جو یہ ایک پائپ لگا ہوا ہے پرانے دفتر میں اس پر ایک پنکھا ہوتا تھا جس کے ساتھ رسّی ہوتی تھی۔ جب ہوا کی ضرورت ہوتی تو اُس رسّی کو ہلا لیا کرتے تھے۔ کوئی بجلی نہیں تھی۔ کوئی کچھ سہولت نہیں تھی۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (نور اللہ مرقدہ) نے مقبوضہ کشمیر کے کسی علاقے میں اُن کو ایک پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا۔ راولپنڈی پہنچے تو دیکھا کہ کوئی سواری نہیں تھی۔ اگر کسی سواری کا انتظام کرتے تو دیر ہو جاتی اور خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل کو اول وقت میں کرنے کی غرض سے آپ راولپنڈی سے پیدل ہی روانہ ہو گئے اور واپسی بھی پیدل کی اور حضور کا پیغام متعلقہ جگہ بخوبی پہنچا دیا۔

آپ نے ایک بچی بھی پالی ہوئی تھی جس کا مربی کے ساتھ بیاہ کیا اور اُس کو بچوں کی طرح رکھا اور ہمیشہ بعد میں بھی اُس کا حال پوچھتے رہتے، اظہار کرتے رہتے، تحفے تحائف بھیجتے تھے۔ گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک تھا۔ بچے

کہتے ہیں کبھی اونچی آواز میں ہم نے اُن کو بولتے یا ڈانٹتے نہیں سنا۔ بچوں کی عزتِ نفس کا بہت خیال کرتے تھے۔ بہت اعلیٰ انداز میں تربیت کی۔ زندگی کے ہر عمل میں سادگی کا پہلو نمایاں تھا۔ خود نمائی سخت ناپسند تھی۔ ہر عمل میں صبر کی اعلیٰ مثال تھے۔ کبھی اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کرتے تھے چاہے بیماری ہو یا کوئی اور پریشانی ہو۔ اس قدر صبر تھا کہ آپ کی والدہ جو مقبوضہ کشمیر میں تھیں اُن کی وفات کی خبر جب بذریعہ خط ملی تو بڑے صبر سے اس صدمے کو برداشت کیا اور کئی دن کسی سے ذکر بھی نہیں کیا۔

جلسہ سالانہ پر کشمیر سے مہمان آیا کرتے تھے تو سارا گھر اُن کو دے کر خود اپنے بچوں سمیت ایک سٹور میں چلے جایا کرتے تھے

مہمان نوازی بہت زیادہ تھی۔ جلسہ سالانہ پر کشمیر سے مہمان آیا کرتے تھے تو سارا گھر اُن کو دے کر خود اپنے بچوں سمیت ایک سٹور میں چلے جایا کرتے تھے۔ اور وقف کے عہد کو نبھانے کی کوشش میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ آخری وقت تک اس بارے میں متفکر رہے۔ آخری چند سالوں میں کئی دفعہ اپنے بچوں کے پاس بیرونِ ملک تشریف لے گئے۔ ان کے بچوں میں تقریباً سارے بیٹے ان کے باہر ہی ہیں۔ بڑے بیٹے ان کے احمد یحیٰ صاحب ہیں جو Humanity First کے چیئرمین بھی ہیں۔ جب بچوں کے پاس آتے تھے تو عزیزوں نے اور بچوں نے اصرار کیا کہ یہیں رہ جائیں تو فرماتے تھے کہ مَیں نے زندگی وقف کی ہے۔ کچھ تھوڑا سا وقت وقف نہیں کیا۔ آپ کے پاؤں میں بہت تکلیف تھی اور ہر وقت سوجن رہتی تھی جیسا کہ مَیں نے بتایا۔ اس کے باوجود باقاعدہ دفتر جاتے تھے اور اپنے کام میں حرج نہ ہونے دیتے تھے۔ آخری بیماری میں پانچ دفعہ ہسپتال گئے لیکن ہر دفعہ ڈاکٹر سے یہی سوال ہوتا تھا کہ مَیں دفتر کب جاسکوں گا۔ وفات سے دو تین دن پہلے دفتر گئے۔ وہاں بیٹھے کام کر رہے تھے کہ اس دوران میں ان کو تکلیف ہوئی ہے اور پھر وہاں سے بارہ بجے چیک اپ کے لئے گئے تو ڈاکٹروں نے داخل کرلیا۔ وہاں بھی بیڈ پر لیٹے ہوئے دفتر کا کام چیک کیا کرتے تھے۔ کارکنان کاغذات لے آتے تھے اور کام کرتے رہتے تھے۔ آخری دن کہا کہ دعا کریں اور اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ اُن کو پتہ لگ گیا تھا کہ اُن کی وفات کا وقت قریب ہے تو کہنے لگے کہ میری فلائٹ کا وقت ہو گیا ہے۔ جو بھی فیکس یہاں سے جاتی تھی ہمیشہ اپنے ہاتھ سے اُس کا جواب دیا کرتے تھے۔ اب تک جو اُن کا آخری خط بھی مجھے آیا، وہ بھی اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا کسی کلرک سے نہیں لکھوایا اور نہ ہی کمپوز کرواتے تھے اور آرام آرام سے بڑا خوبصورت لکھتے تھے۔ حالانکہ کمزوری کی وجہ سے اُن کے ہاتھ بھی کانپتے تھے لیکن پھر بھی بڑا وقت لگا کر لکھا کرتے تھے۔ 14؍دسمبر کو ساڑھے گیارہ بجے تک دفتر میں رہے اُس کے بعد وفات ہوئی جیسا کہ میں نے بتایا کہ آپکی خواہش یہی تھی کہ آپ کی وفات دفتر میں ہی ہو۔ ہسپتال میں یہ فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ روحانی خزائن کی تمام غلطیوں کا کام مکمل کر کے اس فرض سے فارغ ہو جاؤں لیکن اس بات کی مہلت نہیں ملی۔

ایک مربی سلسلہ جو نظارتِ اشاعت میں ہیں لکھتے ہیں کہ عبدالحی شاہ صاحب کے ہم زلف نے اُنہیں بتایا کہ 17 دسمبر کو شاہ صاحب نے خواب دیکھا کہ ان کی اہلیہ آئی ہیں اور انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے ابھی تک ٹکٹ نہیں لیا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ ابھی تک نہیں لیا۔ کچھ وقفے کے بعد دوبارہ شاہ صاحب نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ ہاں مَیں نے ٹکٹ بھی لے لیا ہے اور بورڈنگ بھی ہوگئی ہے۔

جس روز محترم شاہ صاحب کی وفات ہوئی اس دن صبح دس

یہ خادمِ سلسلہ آخر دم تک سلسلہ کے لئے وقف رہا اور حتی المقدور سلسلے کے کام کو ہر دوسری بات پر ترجیح دی

بجے کے قریب اُن کے دوست ہسپتال میں شاہ صاحب کی عیادت کیلئے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے جو کوشش کرنی تھی وہ کرلی ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنے بیٹے عمران کو بلایا اور ہلکا سا کہا کہ فلائٹ آ گئی ہے۔ بیٹے کو سمجھ نہ آئی اور بات سمجھنے کیلئے قریب ہوا لیکن اس کے بعد وفات ہوگئی۔ کوئی بات نہ کر سکے۔ تو یہ خادمِ سلسلہ آخر دم تک سلسلہ کیلئے وقف رہا اور حتی المقدور سلسلے کے کام کو ہر دوسری بات پر ترجیح دی۔ شاہ صاحب نے دینی علم حاصل کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب پڑھیں تو اُن پر عمل بھی کیا۔ صرف علم ہی حاصل نہیں کیا جیسا کہ مختلف احباب نے بیان کیا ہے اور مَیں نے بتایا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ جب میں ناظرِ اعلیٰ تھا تو اس وقت وہ ناظر اشاعت تھے۔ اُس وقت بھی مَیں نے اُن کو کامل اطاعت کرنے والا پایا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے خلافت کی ردا مجھے پہنائی تو شاہ صاحب کو اخلاص و وفا میں پہلے سے بھی بہت زیادہ بڑھا ہوا پایا اور یقیناً ہونا بھی یہی چاہئے تھا کہ خلافت سے ایک اَور تعلق ہوتا ہے۔ بیعت کی روح کو سمجھنے والے اور اپنی تمام تر طاقتوں سے اُس کا حق ادا کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور خلیفہ وقت کو اور خلافتِ احمدیہ کو ہمیشہ ایسے جانثار اور خدمت کرنے والے سلطانِ نصیر اللہ تعالیٰ عطا فرماتا رہے۔ (آمین)''

(الفضل انٹرنیشنل لندن 13 تا 19 رجنوری 2012ء)

''مقام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم صحیفۂ شمعون کی ایک پیشگوئی کی روشنی میں''

اس مقالہ میں مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب نے آنحضورؐ کے **ابتر** ہونے کے اعتراض کا بدلائل قاطعہ رد کیا ہے۔
اس تحقیق میں اہل نجران کے ساتھ مباہلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا ایک اہم پہلو یہ بھی کہ اس میں حضور ﷺ کے روحانی فرزند کی آخری زمانہ میں آمد کی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ پیشگوئی کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

** '' وما الفارقليطا يا مسيح اللّٰه؟ قال احمدالنبی الخاتَم الوارث ذالک الذی يصلّی عليه حسيًّا وَيُصلّٰی عَلَيهِ بعد مايقبضه اليه بابنه الطاهر الخاير ينشره اللّٰهُ فی آخرِ الزمان بعد ماانقصمت عری الدين و خبت مصابيح الناموس وَاَفَلَتْ نجومه فلا يلبث ذالک العبد الصالح الّامّا حتّٰی يعود الدين به کما به و يقر اللّٰهُ عزّوجلّ سلطانَهٗ فی عبده ثم فی الصالحين من عقبه وينشر منه حتّٰی يَبْلُغَ ملکهٗ منقطع التراب''.**

''حواریوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے دریافت کیا کہ فارقلیط کون ہوگا۔ اور اس کی حیثیت کیا ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا وہ احمد نبی خاتم النبیینؐ اور وارث ہوں گے۔ جس کی زندگی میں بھی اس پر درود بھیجا جائیگا اور موت کے بعد بھی اس کے پاک اور نیک فرزند کے ذریعہ اس پر درود بھیجا جائے گا۔ اس فرزند کو اللہ تعالیٰ آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔ جبکہ دین کمزور ہو چکا ہوگا اور وحی والہام کی قندیلیں بجھ چکی ہوں گی اور ستارے یعنی علماء دین غروب ہو چکے ہوں گے۔ یہ فرزند ارجمند اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ دین اپنی پہلی شوکت کو دوبارہ حاصل نہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی اس کے صالح متبعین میں اس کے غلبہ کو قائم فرمائے گا۔ اور خدا اس کی شہرت اور غلبہ کو زمین کے کناروں تک پہنچائے گا۔'' (بحار الانوار جلد 6 باب المباہلۃ)

(یہ تحقیقی مقالہ مجلّہ جامعہ احمدیہ جلد 4 شمارہ جنوری 1967 میں شائع ہوا۔)

میرے والد مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

خاندانی پس منظر، بچپن، قادیان میں ابتدائی تعلیم، میدان عمل

انکے سامنے انکی جائز اور ضروری تعریف سے بھی انہیں گھبراہٹ ہوتی

(مکرم سید احمد رضوان صاحب سویڈن)

اپنے شفیق اور مہربان والد کے بارے میں کچھ لکھنے کی تحریک ہوئی مگر جب بھی لکھنے بیٹھا اسی تذبذب میں وقت گزرتا چلا جاتا تھا کہ کہاں سے لکھنا شروع کروں، کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ وہ فرشتہ سیرت اور درویش صفت انسان جس کی سرشت میں اپنی ذات کو نمایاں کرنے سے سخت گریز تھا۔ انکے سامنے انکی جائز اور ضروری تعریف سے بھی انہیں گھبراہٹ ہوتی تھی۔ انکی زندگی میں آخری چند سالوں میں انکے دوست احباب اور ہم سب نے اصرار کیا کہ وہ اپنی یادداشتوں کو ضبط تحریر میں لائیں مگر وہ ہمیشہ خوبصورتی سے ٹال دیتے۔ وہ کس پایا کے انسان اور کن خوبیوں کے مالک تھے اس بات کا صحیح ادراک تو ہمیں حضور انور کے خطبہ جمعہ سے ہوا۔ اس مضمون میں خاکسار ابا کی سیرت کے بعض پہلوؤں کا ذکر کرنے کی حقیر سی کوشش کر رہا ہے۔

ولادت

ہمارے دادا سید عبدالمنان صاحب نے عین جوانی کے عالم میں احمدیت میں شامل ہونے کی سعادت پائی۔ دادی کا نام فاطمہ بیگم تھا اور وہ پیدائشی احمدی تھیں۔ تقدیر کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ شادی کے بعد ہمارے دادا اور دادی کے ہاں جو بھی اولاد پیدا ہوتی وفات پا جاتی۔ اس بات کا اس جوڑے پر بڑا اثر تھا۔ دعائیں کرتے اور کرواتے کہ انکے ہاں زندگی پانے والی اولاد ہو۔ **ہماری دادی کے بھائی مولوی عبدالجبار صاحب نے ایک مبشر خواب کی بنیاد پر انکو نصیحت کی کہ اب تمہارے ہاں جو بچہ پیدا ہو اسکا نام ''عبدالحی'' رکھنا اور اسکو خدمت دین کیلئے وقف کر دینا۔** چنانچہ اس پس منظر میں ہمارے ابا کو انکی پیدائش سے پہلے ہی انکے والدین نے وقف کیا اور بچپن سے ہی انکی تربیت اس رنگ میں کی کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کی امانت ہیں۔

ابا کے بعد انکے دو بھائی اور ایک بہن پیدا ہوئیں۔ ابا کی جائے پیدائش 12ر جنوری 1932ء کشمیر کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ بچپن کُریل میں گزرا جس سے ملحقہ گاؤں آسنور کی بیشتر آبادی احمدی نفوس پر مشتمل ہے۔ آجکل تو یہ دونوں گاؤں آپس میں مل گئے ہیں مگر اس زمانے میں انکے درمیان آدھے فرلانگ کا فاصلہ ہوتا تھا۔ پرائمری تک تعلیم ابا نے آسنور کے سکول میں حاصل کی۔ ہمارے دادا، دادی شعبہ تدریس سے منسلک تھے اور شروع دن سے ہی انہوں نے ابا کے دل میں تعلیمی شوق ابھارنے کی خاص کوشش کی۔

بچپن

کم عمری سے ہی ابا بہت کم گو، حساس، پُرحجاب اور حیادار تھے۔ کھیل کود میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، بلا کے ذہین تھے، یادداشت بہت گہری اور تقریباً Photographi تھی۔ اپنے والدین اور بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے۔

پانچ چھ سال کی عمر کا ایک واقعہ جو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اپنے ماموں کے ساتھ کسی دوسرے گاؤں گئے۔ واپسی پر راستہ میں ایک درخت کے نیچے ستانے کیلئے رکے

تو ماموں کو کوئی کام یاد آ گیا۔ اس پر انہوں نے ابا سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں اسی درخت کے نیچے انکا انتظار کریں۔ چنانچہ ایک اطاعت گزار بچے کی طرح یہ اپنے ماموں کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ اس دوران کئی بار خیال آیا کہ اکیلے ہی اپنے گاؤں چلے جائیں مگر ماموں کی حکم عدولی انکو گوارہ نہ تھی۔ آخر کار شام کو دیر سے انکے ماموں آئے تو ابا کی جان میں جان آئی۔ اطاعت کی اس رمز کو انہوں نے ابتدائے سفر میں ہی پا لیا تھا۔ انکو چار خلفاء کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی بھی اشارہ ملتا تو دن رات ایک کر دیتے اور ساتھ ہی یہ فکر بھی دامن گیر رہتی کہ کام میں کسی کوتاہی سے حضور کو زحمت نہ ہو۔

قادیان روانگی اور مدرسہ احمدیہ میں داخلہ

پانچویں تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہمارے دادا، دادی نے ابا کو قادیان بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ ابا کو کشمیر سے قادیان تک کا اپنا پہلا سفر بہت اچھی طرح سے یاد تھا۔ پہلی مرتبہ بس میں بیٹھنے کی اتنی خوشی تھی کہ روانگی کے وقت پوری طرح سے اپنے والدین سے گلے بھی نہ ملے اور جھٹ جا کر اپنے ماموں کے ساتھ بس میں جا بیٹھے۔ دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد انکو اپنی والدہ کی یاد آنی شروع ہوئی اور ساتھ ہی یہ احساس ندامت بھی کہ روانگی کے وقت انکو ملے بغیر ہی بس میں سوار ہو گئے۔

آٹھ نو سال کے اس بچے کو تو اس وقت معصومیت میں یہ اندازہ بھی نہ تھا کہ یہ سفر درحقیقت ایک ہجرت تھی۔ وہ اب کے جو گھر سے نکلا تو پھر اگر واپس آنا ممکن بھی ہوا تو بطور مہمان کے۔ اس دوران والدین پر کیا گزر رہی ہوگی جنہوں نے سنتِ ابراہیمی کی یاد کو زندہ رکھنے میں اپنا حصہ ڈالا اور اپنے اس لختِ جگر کو جو بہت دعاؤں کے بعد نصیب ہوا تھا محض لِلّٰہ خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔

قادیان آ کر ابا مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ شروع کے چھ ماہ انکوسیٹ ہونے میں بہت مشکل محسوس ہوئی۔ اسکی ایک وجہ جو انہوں نے بتائی وہ یہ تھی کہ کشمیر میں ابا نے انگریزی بالکل بھی نہیں پڑھی تھی جبکہ قادیان میں یہ پرائمری سے ہی لازمی مضمون تھا۔ شاید اسکی اصل وجہ اپنے والدین سے جدائی اور ماحول سے اجنبیت بھی ہو۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ تنہائی کتنی کڑی اور جدائی کے وہ لمحات اس معصوم پر کتنے گراں گزرتے ہونگے۔ اگرچہ وہ طبعاً بہت صابر و شاکر، اپنے جذبات پر ہمیشہ قابو رکھنے والے اور وقف کے تمام تقاضوں کو نبھانے والے تھے مگر پھر بھی آٹھ نو سال کی عمر ہوتی ہی کیا ہے۔ اپنی خواہشات اور ضرورتوں کا اظہار کس سے کرتے ہونگے۔

کشمیر سے قادیان کا فاصلہ اتنا زیادہ اور وسائل اتنے محدود تھے کہ سال میں ایک بار گھر جانا بھی غنیمت تھا۔ آجکل قادیان میں بہت سے کشمیری آباد ہیں مگر میرا نہیں خیال کہ اس زمانے میں ابا کے کوئی عزیز رشتہ دار قادیان میں موجود تھے جن کے گھر جا کر وہ اپنے والدین سے جدائی کے احساس کو کسی طرح کم کر سکتے۔ ہاں مگر کشمیر میں اور قادیان میں ایک نمایاں فرق ضرور تھا۔ قادیان کا پاکیزہ ماحول، بزرگان سلسلہ اور سب سے بڑھ کر خلیفۂ وقت کی موجودگی جس سے ابا کو بہت Inspiration ملتی ہوگی اور جس مقصد کیلئے انکے والدین نے انکو اس پاک بستی میں بھیجا تھا اسکے حصول کیلئے وہ کمر بستہ ہو گئے ہونگے۔

والدین سے چالیس سال کے بعد ملاقات

1947ء کی گرمیوں کی چھٹیوں میں جب ابا کشمیر گئے ہوئے تھے تو ملک تقسیم ہو گیا اور وہ ہندوستان میں ہی رہ گئے اور دو سال کا عرصہ انہوں نے اپنے گاؤں میں ہی

گزارا۔ اگرچہ ابا کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ کسی طرح پاکستان پہنچیں مگر بعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی یہی تھی کہ وہ دوسال اپنے والدین کے قریب رہ کر انکی خدمت کریں کیونکہ پاکستان آنے کے بعد پھر کبھی وہ اپنے والد سے مل نہیں سکے اور والدہ سے بھی تقریباً چالیس سال کے بعد انکی ملاقات ہوئی۔ مئی 1949ء میں تقریباً چار پانچ دن کا پیدل سفر کر کے، دریائے نیلم کو کراس کرتے ہوئے، پہلے مظفر آباد اور وہاں سے سیدھے رتن باغ لاہور پہنچے اور حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور کے ارشاد پر جامعہ احمدیہ میں پہلے احمد نگر اور پھر ربوہ میں تعلیم حاصل کی۔

شادی اور عائلی معاملات

ہماری والدہ کا نام امۃ الودود تھا۔ ننھیال کی طرف سے انکا تعلق آسنور کشمیر کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ ہمارے نانا شیخ محبوب الٰہی کشمیری پنڈت فیملی سے تھے جنہوں نے عین جوانی کے عالم میں احمدیت قبول کی۔ 1961ء میں جب ابا اور امی کی شادی ہوئی تو واقف زندگی ہونے کے ناطے ابا کے وسائل بہت محدود تھے مگر ہماری امی (جن کا تعلق ایک خوشحال گھرانے سے تھا) نے ابا کے وقف کو خوب نبھایا۔ اپنی سلیقہ شعاری اور قناعت پسندی سے گھر کے تمام معاملات بہت احسن انداز سے نبھائے۔ گھر کے مسائل اور جھمیلوں میں ابا کو کبھی الجھنے نہیں دیا تا کہ وہ خدمت دین کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت دے سکیں۔ گھر کے معاملات، بچوں کی تعلیم وتربیت، شادیاں، عزیز رشتہ داروں سے تعلق اور مہمان نوازی غرضیکہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنے والدین کو ہم نے ہمیشہ ایک دوسرے کا ہم خیال اور Supportive پایا۔

کشمیر واہل کشمیر سے محبت

کشمیر سے محبت ابا کے خمیر میں موجود تھی۔ روایتی اور شعوری طور پر ہر کوئی اپنے وطن سے محبت کرتا ہے مگر کشمیر کیلئے جو خلوص اور وارفتگی ابا کے دل میں موجود تھی وہ عموماً بہت کم دیکھنے میں ملتی ہے۔ کشمیری روایات اور رسم ورواج کا اکثر ذکر کرتے۔ سردیوں میں روزانہ اور گرمیوں میں بالعموم کشمیری چائے ناشتے میں بنتی۔ اسی طرح ہماری امی جن کو ابا کی پسند کا بخوبی اندازہ تھا، گھر کی کیاریوں میں کشمیری کڑم ساگ کا بیج بو دیتیں اور ساری سردیاں اس ساگ کو مختلف انداز سے پکاتیں۔

ابا کے بیشتر رشتہ دار کشمیر میں ہیں انکے ساتھ مسلسل رابطہ میں رہتے اور ہر سال قادیان جلسہ پر جانے والے احباب کے ہاتھ اپنے عزیز واقارب کیلئے تحائف بھجواتے۔ دسمبر 2009ء میں مجھے والدین کے ہمراہ قادیان کے جلسہ میں شرکت کا موقع ملا۔ اگرچہ ابا کی صحت کمزور تھی مگر قادیان پہنچنا تھا کہ نہ جانے کہاں سے ابا میں اتنی ہمت آگئی کہ جلسہ اور قادیان میں قیام سے وہ بہت لطف اندوز ہوئے۔ دارالضیافت میں ہمارے کمرہ میں ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ کشمیر سے بہت سے احباب جلسہ کیلئے آتے ہیں جس کسی کو بھی ابا کے آنے کا پتا چلتا وہ کھنچا چلا آتا۔ یہ سلسلہ صبح فجر کے بعد شروع ہوتا اور رات گئے تک جاری رہتا۔ ایک ایک کا نام لے کر اس کے بچوں اور عزیزوں کا پوچھتے اور اس بات پر بہت خوش تھے کہ انکے گاؤں کے لوگ تعلیم کے میدان میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔

تعلیم سے ابا کو ہمیشہ سے ہی بہت لگاؤ تھا۔ اسکی ایک وجہ تو غالباً یہ تھی کہ ابا کے والدین تدریس کے شعبہ سے منسلک تھے مگر وہ خود بھی بہت علم دوست تھے اگرچہ باقاعدہ تو انہوں

جن دنوں میں ملفوظات کا انڈیکس بنا رہے تھے ہمارے گھر کی ڈائننگ ٹیبل پر بے شمار کارڈوں کا ڈھیر لگا ہوتا

نے سائنس کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی مگر جب بھی کسی نئی تحقیق کا پتا چلتا بہت انہماک اور توجہ سے سمجھنے کی کوشش کرتے۔

حلقۂ یاراں

دوستوں کے معاملہ میں ابا بہت ہی خوش قسمت واقع ہوئے تھے۔ اسکی بڑی وجہ غالباً دوستی کے بارے میں انکی روایت پسندی تھی۔ دوستوں کے ساتھ بے تکلفی بھی تھی مگر انکی عزت وتکریم کا بھی بہت خیال رکھتے۔ انکی شخصیت میں ایک ایسی جاذبیت تھی کہ جس کسی کو بھی انکی رفاقت میسر آئی وہ انکو فراموش نہیں کر سکا۔ وہ بہت خوبصورت اور خیال انگیز گفتگو کرتے تھے۔ کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ جاتے۔ مزاح بہت برجستہ ہوتا۔ بچپن ہی سے ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے ابا کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ بتاتے تھے کہ جامعہ کے زمانے میں غیر ملکی طلباء سے انکا قریبی تعلق تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب گرمیوں کی تعطیلات میں تمام طالب علم اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تو ابا اور انکے غیر ملکی دوست ہاسٹل میں رہ جاتے۔ وہ دوستیاں آخر وقت تک قائم رہیں۔

میدان عمل

مدرسۂ احمدیہ قادیان میں ابتدائی تعلیم کے چار سال مکمل کرنے کے بعد 1945ء میں ابا کو اپنی زندگی وقف کرنے کی سعادت ملی۔ جامعہ احمدیہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ اشاعت وتصنیف کے شعبہ سے منسلک ہوئے اور آخر دم تک اسی شعبہ میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ تصنیف کا شعبہ ابا کے علمی مزاج اور ذوق کے عین مطابق تھا۔ انکی زندگی کا محور اور مدار تھا۔ کام میں اس قدر محو رہتے کہ ان کی تسلی اور اطمینان کا سارا سامان انکو میسر ہو جاتا۔ کام سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ:

ہم جیتے جی مصروف رہے کچھ عشق کیا کچھ کام کیا

مگر ابا کو تو عشق بھی اپنے کام سے تھا گویا وہ کام ہی کرتے رہے۔ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا اپنے ابا کو سخت محنت کا عادی پایا۔ ناظر بننے سے پہلے انکا معمول تھا کہ دفتر سے گھر آنے کے بعد کھانا کھا کر ضیاء الاسلام پریس چلے جاتے۔ سخت گرمیوں کے دنوں میں بھی گردن پر تولیہ لپیٹ کر سائیکل پر پریس جاتے اور مغرب سے ذرا پہلے لوٹتے۔ اسکے بعد ہمیں سکول کا کام کراتے اور رات کو باہر صحن میں کھلے آسمان تلے سونے سے پہلے ہمیں کہانیاں سناتے۔ عموماً انبیاء کے قصے اور اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات سناتے۔

ابا کی اردو لکھائی بہت خوبصورت تھی۔ جو بھی لکھتے اس میں ترتیب، نفاست اور خوبصورتی کا خاص خیال رکھتے۔ ہر کام کو خواہ کم درجہ کا اور عارضی نوعیت کا ہوتا یا اہم اور مستقل حیثیت کا، سنوار کر اور سلیقہ سے کرنے کی عادت تھی۔ اپنے کام کی تکمیل سے جو خوشی اور مسرت انکو ملتی وہ اسی کو کافی سمجھتے۔ ع

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی خواہش

اپنی طبعی عاجزی کی بدولت انکا Leadership style بھی منفرد تھا۔ وہ Lead by example پر عمل پیرا رہتے اور اپنے ماتحتوں کو ساتھ لے کر چلتے۔ احترام آدمیت اور انسانی اقدار کی پاسداری کے معاملے میں وہ ہر کسی کا خیال رکھتے۔ مزاج میں دھیما پن تھا۔ وہ اپنے لہجے میں اپنی ذات کا حسن لے آئے تھے اور کسی کی دلآزاری اور آزردہ خاطری کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

دفتر کا اکثر کام گھر لے آتے۔ مجھے یاد ہے کہ جن دنوں میں ملفوظات کا انڈیکس بنا رہے تھے ہمارے گھر کی ڈائننگ

ٹیبل پر Visiting cards کے سائز کے بے شمار کارڈوں کا ڈھیر لگا ہوتا۔ ابا کتاب کا مطالعہ کرتے جاتے اور ان کارڈوں پر انڈیکس کے ٹائٹل لکھتے جاتے۔ ایک دن امی ان سے کہنے لگیں کہ آپ نے تو کھانے کی میز پر ہی دفتر سجا لیا ہے۔ زیرِلب مسکرا کر کہنے لگے کہ یہ ہی تو میرا اصل کھانا ہے۔ جماعتی کاموں کا Stress کتنا بھی ہوتا ہمیشہ پُرسکون اور پُرامن نظر آتے۔ بڑی دلجمعی اور توجہ سے کام کرتے۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا خاص فضل اور احسان تھا کہ اس نے آخری دم تک ان میں کام کی صلاحیت رکھی۔ انہوں نے ایک بامراد اور بامقصد زندگی گزاری۔ کبھی بھی اپنے علم، کام اور رتبے کو وجہ افتخار نہ بنایا۔ سادہ صاف اور سیدھی راہ پر چلنے کے قائل تھے۔ ریا اور کبر کی خاردار جھاڑیوں میں کبھی نہ الجھے۔

آخری ایام

امی کی اچانک وفات کا ابا کی طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا۔ نصف صدی سے زائد کی رفاقت کے بعد اس طرح اچانک جدائی ان پر بہت گراں گزری۔ بظاہر تو خاموش رہتے اور اپنے دل کی کیفیت کا اظہار کسی سے نہ کرتے مگر بے اختیاری میں امی کی یاد میں کوئی ذکر زبان پر آہی جاتا۔ گھر میں اگر کسی معاملے میں انکی رائے پوچھی جاتی تو کہتے اگر تمہاری امی زندہ ہوتیں تو وہ یہ کیسے کرتیں؟

2011ء میں کمزوریٔ صحت کے باوجود جلسہ سالانہ UK میں شامل ہوئے۔ جب ائیر پورٹ سے گھر پہنچے تو میری خالہ سے کہنے لگے ''دیکھو اس دفعہ میں اکیلا ہی آیا ہوں''۔ لمبے سفر سے انکی ٹانگیں سوج کر کُپا ہوگئی تھیں مگر آتے ساتھ ہی پہلا سوال یہ تھا کہ حضور سے ملاقات کا وقت کب کا ملا؟

اگلے روز ہم سب فیملی کے ساتھ حضور سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو فرطِ جذبات سے ابا کانپ رہے تھے۔ امی کی جدائی کا صدمہ تازہ تھا۔ حضور سے گلے مل کر انکے سامنے نظر جھکائے بیٹھے رہے مگر زبان سے کچھ نہ بولے۔ زندگی میں یہ دوسرا موقع تھا جب میں نے ابا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ حضور نے کمال شفقت سے کافی وقت ملاقات کیلئے دیا اور سب کی ڈھارس بندھائی۔ نکلتے ہوئے حضور نے فرمایا: ''شاہ صاحب آپ اب ہاتھ میں چھڑی رکھا کریں۔'' گھر آئے تو بہت مطمئن تھے۔ کافی دیر تک اس ملاقات اور پچھلی ملاقاتوں کا ذکر کرتے رہے۔

مکرم عثمان چینی صاحب سے ابا کا بہت قریبی تعلق تھا۔ انکی خواہش کے مطابق ہم سب انکے گھر ٹلفورڈ اسلام آباد گئے۔ راستہ میں ابا ہم سب کو عثمان صاحب کے بارے میں بتاتے رہے۔ جب ہم انکے گھر پہنچے تو عثمان صاحب گھر پر اکیلے تھے۔ ابا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کافی دیر تک ابا کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ جب ابا نے اجازت چاہی تو عثمان صاحب کہنے لگے کہ ''شاہ صاحب لگتا ہے کہ اس دنیا میں یہ ہماری آخری ملاقات ہے اسلئے کچھ دیر اور بیٹھیں۔'' اسکے بعد دونوں اگلے جہان کے بارہ میں باتیں کرنے لگے۔ اسلام آباد سے واپسی کے سفر میں ابا کہنے لگے کہ عثمان صاحب نے جو ''آخری ملاقات'' والی بات کی ہے یہ بہت معنی خیز ہے۔ اور واقعی وہ آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

اب دور جا چکا ہے شاہ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اداس ہیں
چند اک کو یاد ہے کوئی اسکی ادائے خاص
دو اِک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں
پر اس کا گیت سب کے دلوں میں مقیم ہے
اور اس کی لے سے سینکڑوں لذت شناس ہیں

دلنشین یادیں

(مکرم سید احمد یحیٰی صاحب پسر مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب)

30 نومبر 2011ء کو علی الصبح خاکسار دو ہفتے ابا کے ساتھ رہنے کے بعد واپس دبئی جانے کیلئے روانہ ہونے لگا تو حسب معمول سفر شروع کرنے سے قبل آپ نے لمبی پُرسوز دعا کروائی لیکن اس دن دعا کا ایک خاص رنگ تھا۔ آپ بستر میں ہی تھے۔ خاکسار ملنے کیلئے جھکا تو گلے لگایا اور فرطِ جذبات میں آپ کے سینے میں دل کی دھڑکن کی عجیب آواز آرہی تھی۔ اس سے قبل بھی میری والدہ مرحومہ کی وفات پر جب مَیں ابا سے ملا تھا تو ایسی ہی کیفیت تھی۔ خدا جانتا ہے کہ یہ کس قدر مشکل آخری ملاقات تھی۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ واپس جاؤں لیکن ابا کا اصرار بھی تھا کہ اب وہ بہت بہتر ہیں اور دفتر جانا شروع کر چکے ہیں۔ نیز مجھے بچوں کے ساتھ دوبارہ تین ہفتے بعد آنا تھا۔

خواہش ہے کہ کام کے دوران ہی وفات ہو

اسلام آباد پہنچ کر ابا کو فون کیا تو آپ دفتر میں تھے۔ کہا مَیں بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں اور اس وقت حضور کو اپنے ہاتھ سے خط لکھ رہا ہوں۔ یہ وہی خط ہے جس میں ہمیشہ کی طرح اس خواہش کا اظہار اور دعا کی درخواست تھی کہ اللہ تعالیٰ آخری دَم تک جماعتی خدمت کی توفیق دے۔ اس خط میں یہ خاص ذکر تھا کہ ''حضور میری خواہش ہے کہ کام کے دوران ہی میری وفات ہو''۔ اور اللہ نے ان کی خواہش کو اس طرح قبول کیا کہ اگلے پندرہ دن ابا روزانہ دفتر باقاعدگی سے جاتے رہے اور خود کو بہت بہتر محسوس کر رہے تھے۔ روزانہ فون پر بات ہوتی تو بتاتے کہ آجکل میں بہت عرصہ سے رُکے ہوئے کام نکال رہا ہوں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کو خود رپورٹس بھی تحریر کر کے بھجوائیں۔ ہر طرح سے مطمئن تھے۔ ان دنوں خاکسار کو کئی بار یاد دہانی کروائی کہ کوشش کرو اگر ہمیں انڈیا کا ویزہ مل جائے تا کہ ہم جلسہ قادیان میں شامل ہوسکیں۔

14 دسمبر کو دفتر میں مصروف رہے اور وہاں سے ہی چیک اَپ کے لئے ہسپتال چلے گئے۔ ڈاکٹرز نے داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ اگلے تین دن دفتری کارکنان ہسپتال آکر ڈاک پیش کرتے اور راہنمائی لیتے رہے۔ فون پر عزیز واقارب سے بھی بات چیت ہوتی رہی اور ہمیشہ کی طرح یہی کہتے کہ مَیں بالکل ٹھیک ہوں اور بس ڈاکٹرز کی ہدایت پر آرام کر رہا ہوں۔ 18 دسمبر کی صبح طبیعت میں بے چینی تھی۔ ہمارا چھوٹا بھائی عمران وہیں پر تھا۔ اُس دن بھی دفتر سے آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا لیکن دوپہر کے بعد ہاتھ ہلا کر سلام کرتے اور دعا کی درخواست۔

ابّا کی وفات پر محترم ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب نے خاص طور پر ذکر کیا کہ اگر شاہ صاحب کے جسمانی عوارض کو دیکھیں اور Medically Asessment کریں تو شاید دس سال قبل ہی فوت ہو جاتے مگر یہ خدا تعالیٰ کا بے حد احسان تھا کہ شاہ صاحب کے ان عوارض کو ان کے کام کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھرپور خدمت دین کی توفیق دینی تھی اور جس نوعیت کی ذمہ داری ادا کر رہے تھے اس میں ان کی یادداشت اور نظر سو فیصد قائم تھی۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں تو سارا گھر مہمانوں کے حوالہ کر کے خود بچوں سمیت سٹور میں منتقل ہو جاتے

آپ صبر اور برداشت کا پہاڑ تھے۔ چھوٹی عمر میں تعلیم کیلئے گھر چھوڑا۔ پھر 1949ء میں پاکستان آگئے۔ کچھ عرصہ بعد ہمارے دادا کی وفات ہوگئی۔ کوئی قریبی عزیز رشتہ دار بھی پاس نہ ہوتا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری دادی کی وفات کی اطلاع ابا کو کشمیر سے بذریعہ خط ملی تو کئی روز تک اس اندوہناک غم کو دل میں لئے اکیلے سہتے رہے اور کئی دن بعد گھر والوں کو یہ خبر دی۔ ہماری امی کی اچانک وفات کا صدمہ بھی قیامت خیز حادثہ سے کم نہ تھا مگر یہ سانحہ بھی کمال صبر سے برداشت کیا۔

ہمسائیگی کے حقوق

ہم نے گھر میں مرغیاں پال رکھی تھیں۔ ہمارے گھر کے ساتھ نئے ہمسائے آئے اور ابھی چند ہی دن ہوئے تھے کہ ہمارا ایک موٹا تازہ مرغ اُن کے ہاں چلا گیا۔ انہوں نے اس کو بھگانے کیلئے غالباً کوئی چیز اس کی طرف پھینکی جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہوگیا۔ جب وہ تڑپنے لگا تو اس خیال سے کہ ضائع نہ ہو جائے مرغ کو ذبح کیا اور پھر شرمندگی اور معذرت کے ساتھ ہمارے گھر لے آئے اور معاملہ بیان کیا۔ اَبا نے اُن سے معذرت کی کہ ہمارے مرغ کی وجہ سے اُن کو تکلیف ہوئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد گوشت کا نصف حصہ اُن کے گھر بھجوا دیا۔ یہ ہمسائے آج تک اس واقعہ کو یاد کرتے ہیں۔ اُن دنوں معاشی حالات کے پیش نظر مرغ کا نقصان معمولی نہیں تھا لیکن آپ نے جس طرح اس معاملہ کو نپٹایا اُس نے دوسروں کے لئے کئی سبق چھوڑے۔

ہمارے والدین انتہائی مہمان نواز تھے اور مہمان نوازی کا ایسا جذبہ تھا جو عام زندگی میں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ بلاتفریق خدمت کرتے ہم نے اُنہیں دیکھا۔ میری والدہ اس لحاظ سے عظیم تھیں کہ اَبا کے وقف کو پوری طرح نبھانے میں بھرپور ساتھ دیا۔ بچوں کی پرورش بہت محنت، جدوجہد اور قربانی سے کی۔ بہت تنگی کے دنوں میں بھی آنے والے مہمان کی تکریم کی جاتی اور خیال رکھا جاتا۔ زیادہ مہمانوں کی آمد ہوتی (خصوصاً جلسہ سالانہ پر) تو سارا گھر مہمانوں کے حوالہ کر کے خود بچوں سمیت سٹور میں منتقل ہو جاتے۔ کئی دفعہ صحن میں ٹینٹ بھی لگا لیتے۔

میرے پڑنانا خواجہ عبدالعزیز ڈار صاحب بیماری کے آخری چند سال ہمارے گھر پر رہے اور اسی طرح میری نانی جان تقریباً پندرہ سال ہمارے گھر پر ہی رہیں۔ چونکہ باقی بچے باہر چلے گئے تھے، ہماری امّی ہمیشہ ان بزرگان کی خدمت میں دن رات مصروف رہتیں اور میرے اَبا نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے میری امّی کا ساتھ دیا۔

کشمیر کی ایک روایت ہے کہ مالک اور ملازم ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں

کھانے کی میز پر بیٹھتے تو روزانہ ایک بات پوچھتے کہ ملازمہ کو کھانا دیدیا ہے؟ کئی دفعہ امی کہتیں کہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں، مَیں ہمیشہ پہلے ملازمہ کو کھانا دیتی ہوں۔ آپ کہتے کہ ضروری ہے کہ جو ملازم اتنی خدمت کرتے ہیں اُن کو کھانا پہلے ملنا چاہیئے نیز وہی کھانا دینا چاہیئے جو اپنے لئے میز پر ہو۔ اَبا اکثر ذکر کرتے تھے کہ کشمیر میں ایک بہت اچھی روایت ہے کہ مالک اور ملازم ایک دسترخوان پر ہی کھانا کھاتے ہیں۔

دلجوئی

اپنی وفات سے تین ماہ قبل ایک دن فون پر بتانے لگے کہ آج ملازمہ کے ساتھ اُس کی شادی کا سامان لینے گیا ہوا تھا۔ مَیں نے کہا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ کو کیا ضرورت تھی، اُن کو پیسے دے دینے تھے وہ خود ہی خریداری کر لیتے۔ کہنے لگے کہ اگر تمہاری امی زندہ ہوتیں تو وہ یہ کام خود ہی کرتیں، اس لئے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

ہمارے گھر میں تیس سال سے زائد عرصہ سے ایک ہی شخص دودھ مہیا کر رہا تھا۔ اس کی بیٹی کا رخصتانہ تھا۔ شادی میں شرکت کیلئے فون کیا تو معلوم ہوا کہ آج ربوہ میں غیر احمدی بڑا جلوس نکال رہے ہیں۔ مَیں نے منع بھی کیا لیکن اَبا اور امّی دونوں نے کچھ عزیزوں کو ساتھ لیا اور دودھ والے کی خوشی میں شامل ہونے کے لئے اُن کے گاؤں کیلئے روانہ ہو گئے۔

کشمیر جنت نظیر

اپنے آبائی وطن سے بے پناہ محبت تھی اور ہمیشہ وہاں پر امن کے لئے خواہشمند اور دعا گو رہتے۔ کشمیری زبان و ثقافت، پکوان اور علاقہ جات کا بہت گہرا علم تھا۔ اکثر کشمیر سے آنے والے عزیز آپ سے مل کر حیران ہوتے کہ ایسی تفصیل تو وہ بھی نہ جانتے تھے۔ جب بھی یورپ میں قدرتی حسن سے مالا مال نظارے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور ہمیشہ کشمیر کی وادی کے حسن پر تبصرہ کرتے ہوئے بتاتے کہ کشمیر کے فلاں علاقہ کا حسن اس طرح کا ہے یا اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔

خادم خلافت

لندن میں 2011ء کے جلسہ سالانہ کے بعد حضور انور ایدہ اللہ کے ساتھ اَبا نے ایک دفتری ملاقات کی۔ ملاقات کے بعد کار میں خاکسار نے دریافت کیا کہ ملاقات کیسی رہی؟ کہا: ٹھیک تھی۔ الحمدللہ۔ مَیں نے پوچھا کہ کوئی خاص ارشاد؟ آپ خاموش رہے۔ شام کو ایک عزیز گھر پر آئے تو انہوں نے بھی میرے والی غلطی دہرائی اور پوچھا کہ حضور نے کیا خاص ہدایات دی ہیں۔ اَبا نے کوئی جواب نہ دیا اور اُن کے بچوں کا احوال دریافت کرتے رہے۔ ہم نے کبھی بھی دفتری معاملات اور خلفاء کے خطوط یا ملاقاتوں کے حوالہ سے کوئی بات گھر میں نہیں سنی۔ البتہ مقالے، مضامین اور کتب وغیرہ ہر روز گھر آتیں۔ اُن پر کام ہوتا اور واپس چلی جاتیں۔

وفات کے بعد دفتر میں موجود اَبا کے ذاتی خطوط اور خلفاء کی طرف سے آنے والے خطوط دیکھے تو احساس ہوا کہ خلفائے وقت سے اس دعا کی درخواست ہمیشہ کیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے اور مرتے دم تک سلسلہ کی خدمت میں مصروف رہیں اور یہ خدمت اللہ کی نظر میں مقبول ہو۔

میرے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی شدید بیماری کے دوران ایک جلسہ سالانہ یوکے کے پہلے روز جب حضورؒ کا ناسازیٔ طبع کی وجہ سے جلسہ کے افتتاحی اجلاس میں آنا مشکل ہو گیا تو ارشاد موصول ہوا کہ اَبا پہلے اجلاس کی صدارت کریں۔ اجلاس کے بعد کچھ ملنے والوں نے بے تکلّفی سے مبارکباد دی تو آپ نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ یہ تو تکلیف کی بات ہے کہ آج حضور بیماری کی شدّت کے باعث شرکت نہ کر سکے، یہ میرے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں۔

2000ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ازراہ شفقت میرے ایک بھائی کیلئے رشتہ تجویز کیا تو اَبا نے بھائی سے مشورہ کرنے کے بعد فوراً حضورؒ کی خدمت میں خط تحریر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی توجہ سے یہ رشتہ تجویز ہوا ہے۔

ہمیں اس رشتہ پر پورا اطمینان اور شرح صدر ہے۔ یہ میری انتہائی عزت افزائی ہے اور حضور کی ذرّہ نوازی کہ حضور نے میرے بیٹے پر اعتماد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور کے اعتماد پر پورا اترنے کی توفیق دے۔ آمین۔

حضورؒ نے ازراہ شفقت نکاح کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب مَیں نے یہ رشتہ تجویز کیا تو حالانکہ عمومی طور پر لڑکے والے لڑکی والوں سے ملتے ہیں اور اپنی پسند ناپسند کا ذکر بھی ہوتا ہے لیکن شاہ صاحب اور اُن کی بیگم نے فوراً انشراحِ صدر کے ساتھ میرے تجویز کردہ رشتہ کو قبول کیا۔

پسندیدہ مقامات

اَبا کہا کرتے تھے کہ گزشتہ پچیس سال میں دنیا کے 15 ممالک میں جانے کا مجھے موقع ملا ہے لیکن ہمیشہ کیلئے میری فیورٹ جگہ قادیان، ربوہ یا لندن ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقامات خلافت کے حوالہ سے ہر مخلص احمدی کے لئے پسندیدہ ہیں۔

اَبا کی یادداشت کا اندازہ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔ آپ ذکر کرتے تھے کہ جب 4 سال کے تھے تو ہماری دادی بہت شدید بیمار ہوگئیں تو ان کو جموں میں ایک کرسچین ہسپتال لے جایا گیا۔ اَبا بھی ساتھ تھے۔ کچھ دنوں بعد شاید ڈاکٹر نا اُمید ہوگئے۔ اَبا کہتے ہیں مجھے اس بات سے اندازہ ہوا کہ ایک دن نرسیں اَبا کو ایک کمرہ میں لے گئیں۔ کچھ بچوں کی کہانی والی کتابیں دیں اور ایسی کہانیاں سنائیں جن میں یتیم بچوں کا ذکر تھا یا بچوں کی والدہ کے فوت ہونے کا ذکر تھا۔ وہ شاید مجھے ذہنی طور پر تیار کر رہے تھے اور اس سے مجھے اندازہ ہونے لگ گیا اور دل بہت غمگین ہونے لگا۔ چونکہ ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا، اگلے دن خاندان کے افراد دادی کو واپس گاؤں لے جانے کے لئے بس اسٹینڈ پر پہنچے تو اَبا کے ماموں مکرم مولوی عبدالواحد صاحب اتفاق سے اس وقت قادیان سے واپس آتے ہوئے بس اسٹینڈ پر ملے۔ اپنی بہن کی حالت دیکھ کر بہت تشویش ہوئی۔ وہاں پر بہت پرسوز دعا کروائی پھر انہوں نے کہا کہ میں قادیان سے آم لایا ہوں (کشمیر میں آم عمومی طور پر نہیں ملتے تھے) یہ ایک آم دادی کو کھلا دو۔ اَبا بتاتے تھے کہ دادی کو ایک آم کھلایا۔ نیم مردہ حالت تھی۔ اگلے مقام پر پہنچے تو دادی نے آنکھیں کھولیں اور معمولی حرکت کی اور گاؤں پہنچنے تک ان کی حالت بہتر ہونے لگی اور اس کے بعد خدا کے فضل اور دعاؤں نے ہماری دادی کو معجزانہ طور پر صحت عطا کی اور مکمل شفایاب ہوگئیں۔ آپ نے ماشاء اللہ لمبی زندگی پائی اور سینکڑوں بچوں کو قرآن پڑھانے اور پرائمری تعلیم میں زندگی کا زیادہ تر حصہ گزار دیا۔ اَبا اس واقعہ کو اس تفصیل سے ذکر کرتے تھے کہ حیرانی ہوتی کہ 4 سال کے بچے کی یادداشت اس کمال کی تھی۔

اَبا کو 2010ء میں Minor Stroke ہوا لیکن خداتعالیٰ کے فضل سے بروقت علاج نے ہر پیچیدگی سے محفوظ رکھا۔ تاہم وقتی طور پر Short Term Memory معمولی سی متأثر ہوئی۔ اس بارہ میں ہر وقت پریشانی کا اظہار کرتے تھے۔ مَیں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہیں، آپ سے زیادہ تو شاید مَیں بھول جاتا ہوں۔ کہنے لگے کہ میرا تو ہر وقت کام ایسا ہے جس میں تراجم قرآن کریم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور کتب کی ذمہ داری ہے۔ ساری زندگی ہمیشہ بہت احتیاط سے کام لیا ہے کہ اس میں غلطی نہیں ہونی چاہئے اور مجھے یہی فکر ہے۔ الحمدللہ کہ یہ عارضی کیفیت بہت جلد بہتر ہوگئی اور آپ بھی مطمئن ہوگئے۔

آپ خودنمائی اور اپنی ذات کو نمایاں کرنے سے بہت گریز کرتے۔ دفتری معاملات میں خلیفۂ وقت کی خوشنودی اور تعریف سے ان کو بہت حوصلہ ملتا ہوگا مگر انکساری کا یہ عالم تھا

کہ کبھی گھر میں ہم سے Share نہ کرتے۔ اپنی اولاد کو جماعت اور خلیفۂ وقت کے ساتھ تعلق رکھنے کی تلقین کرتے۔ اپنے اخلاق کی وجہ سے خاندان، دوستوں اور کارکنان میں بھی ہردلعزیز تھے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

آپ کے عزیز اور بچے اپنے روزمرّہ معاملات کے حوالہ سے اَبا سے دعا کی درخواست کرتے۔ آپ کبھی ایسا اظہار نہیں کرتے تھے کہ گویا بہت دعا گو ہوں۔ لیکن آپ کی دعا کا ایک خاص رنگ تھا جس کے ثمرات ہمیشہ ہم نے دیکھے۔ اکثر جب فون پر بات ہوتی اور کسی دفتری یا گھریلو معاملہ کیلئے دعا کی درخواست کرتا تو بعد میں پوچھا کرتے کہ فلاں معاملہ حل ہوگیا؟ اکثر شرمندگی ہوتی کہ مَیں آپ کو بتانا بھول جاتا کہ معاملہ تو اُسی طرح حل ہوگیا تھا جس طرح میری خواہش تھی۔

آپ میں اللہ تعالیٰ پر توکل بے شمار تھا۔ بچپن میں ہماری امی جب بچوں کی تعلیم کے بارہ میں محنت کرتیں اور فکرمندی کا اظہار کرتیں تو بھی اَبا کو کبھی فکرمند نہ دیکھا۔ یہی کہتے کہ ٹھیک ہوجائے گا، اللہ فضل کرے گا۔ چنانچہ بظاہر اگر کوئی ناکامی بھی ہوتی تو یہی کہتے کہ شاید اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے ہی بہتر سمجھے۔

واقف زندگی ہوں لمبی چھٹی لینا مناسب نہیں لگتا

گزشتہ بیس سال سے اَبا اور امی چھٹیوں میں اکثر یورپ یا کینیڈا وغیرہ آتے لیکن ہر سال اَبا کی رضامندی حاصل کرنا ایک مشکل مرحلہ ہوتا۔ ان کا ہمیشہ یہی کہنا ہوتا کہ مَیں واقف زندگی ہوں اور مجھے لمبی چھٹی لینا مناسب نہیں لگتا۔ اگر کوئی یہ ذکر کردیتا کہ آپ تو اب ریٹائرڈ ہیں تو کہتے مَیں نے زندگی وقف کی ہے نہ کہ زندگی کا ایک حصہ۔

سادہ مزاج

کبھی کسی بچے سے اپنی یا گھر کی چھوٹی سی ضرورت کا بھی ذکر نہ کرتے۔ کبھی ہم سے اپنی دنیاوی خواہشات کے حوالہ سے کوئی تقاضا نہیں کیا۔ کبھی اشارۃً بھی کسی مالی ضرورت کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ ذکر ضرور کرتے کہ فلاں مستحق کی شادی ہونی ہے یا کسی اَور ضرورت کی طرف توجہ دلاتے تاکہ اگر ایسے کارِثواب میں شامل ہونا چاہیں تو ہوجائیں۔ لیکن ذاتی ضروریات کے متعلق پوچھنے کے باوجود بھی کبھی ذکر نہ کرتے۔

آپ کا لباس بہت سادہ تھا جو کہ آپ کی طبیعت کی عکاسی کرتا۔ ہمیشہ میری امی ہی ان کے قمیص شلوار خرید کر سلواتیں۔ اَبا طبیعت میں بہت بوجھ محسوس کرتے کہ نئے سوٹ ضرورت سے زیادہ بن گئے ہیں۔

گزشتہ چند سالوں میں پاؤں کی سوجن سے بند جوتے پورے نہیں آتے تھے۔ خاص جوتے بنوائے بھی لیکن سوجن نہ جاتی تھی۔ 2011ء میں لندن آئے تو میرے ایک بھائی اَبا کیلئے ایک نئی سینڈل خرید لائے۔ آپ نے فوراً کہا کہ مجھے تو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کچھ دن بعد میرے ساتھ کار میں گئے۔ جوتوں کی ایک دکان کے سامنے مَیں نے کار روکی اور کہا کہ یہاں بڑے آرام دہ جوتے مل جاتے ہیں۔ کہنے لگے۔ مجھے تو نہیں چاہئے، رضوان بھی زائد لایا ہے۔ مَیں نے کہا یہ جوتے پاکستان میں نہیں ملتے، ایک دو سال آرام سے چل جائیں گے۔ کہنے لگے کہ زندگی کا ایک ماہ کا بھروسہ نہیں، تم دو سال کی تیاری کر رہے ہو۔ مَیں اصرار کے ساتھ ایک جوتا لے آیا لیکن آپ نے ناپسند کیا اور کافی دیر خاموش رہے۔ آپ کی عادت تھی کہ اگر کسی بات کو ناپسند کرتے تو خاموش ہوجاتے۔ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے برعکس گھر کی روزمرہ اشیاء میں کبھی کمی نہ ہونے دیتے۔ اگر کوئی مہمان وغیرہ آنے ہوں تو عموماً ہماری امّی گھریلو ذمہ داریوں کو دیکھتی تھیں۔ لیکن اَبا بھی ہر طرح سے ہاتھ بٹاتے۔

جب ہم چھوٹے تھے تو روزانہ خود گھر پر سبزی اور روزمرہ کی اشیاء سائیکل پر آکر پہنچاتے۔ موسمی پھل باقاعدگی سے گھر لاتے۔ ہمارے اصرار پر بھی خود کھانے سے انکار کردیتے۔ کھانا اور ناشتہ وغیرہ اکٹھے بیٹھ کر ہوتا۔ شام کو اکثر سکول کے کام میں ہماری مدد کرتے۔ انگلش اور عربی خاص طور پر پڑھاتے تھے اور کبھی اکتاہٹ کا اظہار نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کو کبھی ڈانٹا کرتے۔

آپ کو اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ بھی بہت پیار تھا خصوصاً عمران کے بیٹے حسن کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ 2011ء میں لندن آئے تو حسن سے بلاناغہ صبح فون کرکے اُس سے بات کرتے حالانکہ وہ ابھی بات نہیں کرسکتا تھا۔ دراصل ہر بچے کے ساتھ انفرادی تعلق قائم کرتے چنانچہ سب بچے آپ کا بہت احترام کرتے۔ اگر کسی بچہ کو اپنے والدین سے ڈانٹ یا سزا ملتی تو بہت بُرا مناتے۔

ایک دفعہ میری چھوٹی بیٹی ماریہ نے ربوہ میں دیوار پر کچھ لکھ دیا اور ڈرائنگ کردی تو کسی نے اس کو پیار سے کہا کہ اب ہمیں دوبارہ پینٹ کروانا پڑے گا، لیکن اَبا فوراً بولے: نہیں، یہ تو ہم ماریہ کی یاد میں ایسے ہی رکھیں گے۔ چنانچہ بچی کو اپنی غلطی کا احساس تو ہوا لیکن اَبا کی بات سے خوشی بھی ہوئی۔

خاکسار اپنی، اپنے بھائیوں اور دیگر عزیزوں کی طرف سے تمام بزرگانِ سلسلہ، ابا کے رفقاء و دفتری عملہ، احبابِ جماعت، مجلس انصاراللہ پاکستان اور ماہنامہ انصاراللہ کا شکرگزار ہے اور خاص طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی ممنونِ احسان ہے کہ اَبا کی وفات پر اس قدر خوبصورت رنگ میں جامع ذکرِ خیر فرماتے ہوئے نماز جنازہ پڑھائی جو ہمارے لئے سکینت کا باعث بنا اور ہمارے غمزدہ دلوں کو بہت حوصلہ ملا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بیادِ محترم سید عبدالحی شاہ صاحب

فلک نے علم و حکمت کا زمیں پر اِک جہاں دیکھا
سمندر کی طرح خاموش بحرِ بیکراں دیکھا
بہت عرصہ گزارا ہم نے ان کے ساتھ کاموں میں
سدا شفقت، محبت اور اُلفت کا سماں دیکھا
مواقع گفتگو کے ہوں، شگفتہ باتوں میں اکثر
ظرافت کو سدا ان کی طبیعت میں عیاں دیکھا
ضرورت مند ہو، ماتحت ہو یا اَور کوئی ہو
سبھی کے واسطے ہردم شفیق و مہرباں دیکھا
خلافت کے اشاروں کو بہت خوبی سے سمجھا تھا
خلافت کے تقاضوں کا ہمیشہ پاسباں دیکھا
اطاعت کا مرقع نیز اخلاص و محبت سے
امورِ سلسلہ میں صاحبِ قلبِ تپاں دیکھا
ملا صبرِ جمیل ایسا کہ غم کے کوہساروں میں
ہمالہ سے بھی اِک مضبوط دل مثلِ چٹاں دیکھا
محبت کے بکھیرے پھول اس دنیا کی محفل میں
دیارِ مہر و اُلفت میں سبھی کا دلستاں دیکھا
نکالو جو بھی پہلو سادگی کا اُس کا مظہر تھے
ہمیشہ خاکساروں کا امیرِ کارواں دیکھا
لب و لہجہ میں نرمی تھی شرافت اور حلاوت تھی
سبھی سے گفتگو میں آپ کو شیریں زباں دیکھا
دہر میں چلچلاتی دھوپ ہو یا خوف کے سائے
سروں پر آپ کو ہم نے سدا اِک سائباں دیکھا
جہاں بدلا تو دفتر کے دَر و دیوار روتے ہیں
کہاں وہ چل دیا جو دینی کاموں میں نہاں دیکھا
کبھی نہ بھول پائے گا زمانہ ایسی ہستی کو
ملا ایسا نہیں ہم کو زمانے میں جہاں دیکھا

(مکرم طاہر محمود احمد، ربوہ)

سراپائے شفقت والدین

(مکرم شاہ صاحب کے گھر پرورش پانے والی بلتی بچی کے تاثرات)

(خ۔ بزمی، سکردو)

میرا تعلق جماعت احمدیہ بلتستان کے موضع دُم سُم سے ہے جو معروف سیاچن گلیشیئر کے دامن میں واقع ہے۔ میرے ابا مکرم مولوی اخوند غلام محمد صاحب مرحوم بلتی قوم سے احمدی ہوئے۔ آپ اپنے علاقے میں صاحب علم شمار ہوتے اور 1984ء کے پُرآشوب دور میں احمدی ہونے کے باوجود ریڈیو پاکستان اسلام آباد سے بلتی زبان میں دینی پروگرام پیش کرتے تھے۔

آپ 1967ء میں اتفاقاً الفضل اخبار کے مطالعہ اور خواب کے ذریعہ حضرت خلیفة المسیح الثالثؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور حضور کے ارشاد پر اپنے دونوں بیٹوں عبدالوہاب بلتستانی اور ثناء اللہ کو ربوہ حصول تعلیم کے لیے لے آئے۔ بڑے بھائی حافظ عبدالوہاب صاحب قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد جامعہ احمدیہ میں داخل ہو گئے اور جامعہ پاس کر کے 1984ء میں مربی سلسلہ بن گئے اور ان کی تقرری بطور مربی گلگت وشمالی علاقہ جات ہوئی اور وہ مجھے دم سم سے اپنے پاس گلگت لے آئے جبکہ دوسرے بھائی ثناء اللہ صاحب ربوہ میں ہی زیر تعلیم تھے۔ میری عمر اس وقت کوئی آٹھ سال تھی۔

بھائی حافظ عبدالوہاب نہایت عبادت گزار تھے۔ آپ نہایت خیر خواہ اور مہمان نواز تھے اپنے علاقے سے آنے والے لوگوں کی بہت خدمت کرتے اور ان کو احمدیت کا پیغام پہنچاتے۔ گھر کے سارے کام خود کرتے اور میری چھوٹی چھوٹی تمام ضرورتوں کا بہت خیال رکھتے۔ اُن کے ساتھ رہنے کا بہت مزہ آیا۔ کچھ عرصہ گلگت میں رہنے کے بعد بھائی حافظ عبدالوہاب صاحب مجھے ربوہ لے آئے۔ ہم رات کو ربوہ دارالضیافت پہنچے صبح نماز اور پھر ناشتہ سے فارغ ہو کر بھائی جان باہر نکل گئے اور میں کمرے میں رہی۔ بھائی کچھ دیر کے بعد واپس آئے اور مجھے ساتھ لے گئے اور ایک گھر میں لے گئے جو فضل عمر ہسپتال کے سامنے والے صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹروں میں تھا یہ گھر میرے روحانی ابا جان مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب کا تھا۔

اپنے گھر جیسا گھر

بھائی جان مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور جتنے دن ربوہ میں ٹھہرے مجھے روز ملنے آتے رہے مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں پہلے سے ہی اس گھر کا حصہ ہوں اور مکرم شاہ صاحب اور ان کی بیگم محترمہ امۃ الودود صاحبہ مرحومہ مجھے بالکل حقیقی والدین کی طرح محسوس ہوتے اور ان کے چاروں بیٹے مجھے حقیقی بھائیوں کی طرح۔ گھر کے سب لوگ میرا بہت خیال رکھتے اور مجھے اس گھر سے اتنا پیار ملا کہ حقیقی امی اور ابا جان اور بھائیوں کی یاد بہت کم آئی اور گھر کا دینی ماحول بہت پیارا تھا۔ گھر میں لجنہ کے اجلاسات ہوتے اور کئی دیگر جماعتی پروگرام ہوتے ہم گویا پورا ہفتہ کسی نہ کسی جماعتی کام میں مصروف رہتے۔

آپ کی بیگم صاحبہ نے بھی حقیقی ماں کی طرح مجھے بہت پیار دیا اور میرا بہت خیال رکھا اور مجھے پڑھنے کے لیے سکول میں داخل کروا دیا اور آپ ہمیشہ مجھے خود تیار کر کے سکول بھجواتیں اور کہتیں کہ چھٹی کے بعد سیدھا گھر آنا ہے اور رستہ میں کہیں

نہیں رُکنا اور خود چھٹی کے وقت گیٹ میں کھڑی ہو کر میرا انتظار کرتیں۔ جب کسی کے بھی ہاں جاتیں تو مجھے ساتھ لے جاتیں اور میں امی کی انگلی پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتی اور نت نئے کپڑے سلوا کر مجھے پہناتیں اور بہت خوش ہوتیں۔

ابّا جب دفتر سے واپس تشریف لاتے تو گھر میں دفتر کا بہت سارا کام ساتھ لے کر آتے خود دفتر کا کام کرتے اور اپنے پاس کرسی رکھ کے مجھے بٹھاتے اور چھوٹے چھوٹے کاغذ کے ٹکڑوں پر حروف تہجی لکھ کر دیتے اور کہتے کہ ان کو دیکھ کے لکھو۔ مجھے اردو بالکل نہیں آتی تھی جو آہستہ آہستہ سیکھی وہ بھی مذکر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکر بولنے والی تھی۔ ابّا جان اور امی میری باتوں سے بہت ہنستے۔ یوں میری تعلیم و تربیت کے سفر کا آغاز ہوا۔ ہر سال چھٹیوں میں آپ خصوصی طور پر مجھے بذریعہ جہاز سکردو بھجوانے کا انتظام فرماتے تاکہ دو ماہ میں اپنے حقیقی امی ابو اور بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ دم سم میں گزار سکوں۔ دم سم آتے اور جاتے ہوئے چند دن سکردو میں ایک احمدی فیملی مکرم خواجہ نوردین صاحب کے ہاں قیام ہوتا جو بہت مخلص لوگ تھے اب وہ لوگ لندن منتقل ہو چکے ہیں۔

دکھ درد کے ساتھی

بھائی عبدالوہاب گلگت میں ہی تھے اور ربوہ والی امی جان اُن کے لیے رشتہ تلاش کر رہی تھیں کہ انہیں برین ٹیومر ہوگیا۔ علاج کے لیے کراچی لے جائے گئے دماغ کا آپریشن بھی ہوا مگر صحت نہ ہوئی۔ تقدیر الٰہی غالب آئی اور میرے پیارے اور بہت ہی پیارے بھائی جان اور مربی سلسلہ حافظ عبدالوہاب بلتستانی 14/ اکتوبر 1988ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن کیا گیا۔ بھائی حافظ عبدالوہاب بلتستانی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ بلتی قوم میں سے پہلے مربی تھے۔

بھائی کی وفات سے مجھے گہرا صدمہ ہوا مگر ربوہ والے امی جان اور ابا جان کی شفقتوں سے بہت جلد یہ زخم مندمل ہو گیا اور میں زندگی کی روانی میں واپس لوٹ آئی۔ امی جان اور ابّا جان یعنی شاہ صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ ہمیشہ گھر میں آپس میں کشمیری زبان میں بات کرتے اور مجھے بھی کہتے کہ جب بلتستان سے بھائی یا ابو آئیں تو ان کے ساتھ بلتی زبان میں بات کیا کرو اور اِس بات پر زیادہ زور دیتے کہ اپنی مادری زبان کو نہیں بھولنا چاہئے۔

ربوہ قیام کے دوران امی ابّا کے ساتھ لاہور کے بہت سے سفر کیے۔ اُن کے ساتھ اسلام آباد اور سیر کے لیے مری کا سفر بھی کیا۔ بہت مزہ آیا اور امی جان اور ابّا جان کے ساتھ گزرے ہوئے زندگی کے تمام حسین لمحات میرے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔

مارچ 1999ء میں میرے حقیقی ابّا محترم مولوی اخوند غلام محمد صاحب بقضاء الٰہی وفات پا گئے تو مجھے انتہائی تکلیف اور صدمہ ہوا۔ بھائی عبدالوہاب اور ابّا جان دونوں کی جدائی کے دکھ میں میں ہر وقت روتی رہتی۔ ربوہ والے امی اور ابا مجھے تسلی اور شفقت سے سہارا دینے کی بہت کوشش کرتے مگر میرے لیے سنبھلنا بہت مشکل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے روحانی والدین کو جنہوں نے اس مشکل میں مجھے سنبھالا اور بہت خیال رکھا۔ میں جتنا عرصہ بھی ربوہ میں رہی امی ابو کی طرف سے گھر میں کام والیوں کو ہدایت تھی کہ خدیجہ جب جو چاہے اسے بنا کر دیں۔

جب میں بڑی ہوئی تو امی مجھے کوکنگ (Cooking) سکھاتیں اور ابّا شوق سے کھاتے اور میرے بنے ہوئے کھانوں کی بہت تعریف کرتے۔ حالانکہ مجھے پتہ ہوتا کہ میں تو ابھی کوکنگ سیکھ رہی ہوں اور کھانا اتنا اچھا نہیں۔ پھر بھی

بہت حوصلہ افزائی فرماتے اور ہر وقت ابّا چھوٹے چھوٹے مزے دار مذاق کرتے اور سب کو ہنسانے کی کوشش کرتے رہتے۔

ابّا جان پر مخالفین کی طرف سے بعض مقدمات تھے جب پیشی پر جاتے تو ہم سب کو دعا کے لیے کہہ کر جاتے۔ واپس آ کر گھر میں کبھی مقدمات کی تفصیل بیان نہ فرماتے صرف ہماری تسلی کے لیے یہ کہتے انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ابّا جان اور امّی جان بہت دفعہ سفر یورپ پر تشریف لے گئے۔ جلسہ سالانہ پر لندن بھی جاتے تو ہر دو یا تین دن کے بعد فون کرتے اور تفصیلی حالات دریافت فرماتے۔ میں جب بھی کبھی ابّا جان سے دعا کے لیے کہتی تو فرماتے کہ میں بھی دعا کروں گا مگر تم فوراً حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھ دو۔ میں حیران ہوتی تھی کہ ابّا اتنے مصروف ہیں اور اتنا جماعتی کام کس طرح کر لیتے ہیں۔ صبح فجر کے بعد بھی فائلیں پڑھ رہے ہوتے۔ دفتر سے واپس آ کر تھوڑا سا آرام کرتے اور پھر کام میں لگ جاتے اور مغرب کے بعد MTA آفس چلے جاتے اور کافی رات گئے واپس لوٹتے گویا چند گھنٹے کی نیند کے علاوہ کام ہی کام۔ اکثر گھر میں مہمان آئے ہوتے اور ابّا جان یا تو اپنے کام میں مصروف رہتے اور یا MTA آفس چلے جاتے۔ مگر مہمانوں کی تواضع کا پورا خیال رکھتے اُن کے حسب منشاء کھانا تیار ہوتا۔ مگر جب حضرت صاحب کی طرف سے کوئی حکم آ جاتا تو ابّا جان گھر سے غائب ہو جاتے۔

میری شادی

جب میری شادی کا موقع آیا تو امّی اور ابّا جان دونوں نے مناسب رشتہ تلاش کرنا شروع کیا بہت سے لوگ آئے مختلف جگہوں سے رشتے آئے جن میں ایک رشتہ لندن سے بھی تھا مگر ابّا جان مطمئن نہ ہوئے۔ آپ نے دینداری اور جماعتی خدمت کو ترجیح دی اور میرا رشتہ مربی سلسلہ سے کر دیا۔ مجھے حیرانی اور بہت ساری پریشانی ہوئی۔ کیونکہ مربی صاحب کی پہلی بیوی یعنی باجی اسماء موجود تھیں اور مربی صاحب اولاد کی غرض سے دوسری شادی کر رہے تھے۔ میرے ذہن میں سو طرح کے خیالات آئے کہ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا اور گھر میں ماحول کیسا رہے گا اور پہلی بیوی کے والدین میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ میری پریشانی کو دیکھ کر امّی اور ابّا جان دونوں مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے مگر جب میں پوری طرح مطمئن نہ ہوئی تو امّی نے ہمسایوں سے تعاون لیا۔ چنانچہ ڈاکٹر نصرت جہاں صاحبہ نے مجھے اپنے بچوں کی طرح سمجھایا اور مجھے سب کی بات ماننی پڑی۔ لہٰذا 26 رمئی 2002ء کو میں ربوہ سے رخصت ہو کر سکردو آ گئی۔ اب میں سوچتی ہوں کہ ابّا جان اور امّی جان کا فیصلہ کتنا درست تھا۔ مربی صاحب اور ان کی پوری فیملی میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور سب مجھ سے پیار کرتے اور باجی اسماء نے بھی چھوٹی بہن کی طرح میرا بہت خیال رکھا ہے اور ہر مشکل وقت میں سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں اور ساری ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتی ہیں۔

ابّا جان اور امّی جان جب بھی فون کرتے یا خط لکھتے تو یہی سمجھاتے کہ ساری برکتیں جماعتی خدمت میں ہیں۔ اپنے میاں کا پورا خیال رکھنا اُن کی اطاعت کرنا اور مربی کے وسائل کے مطابق اخراجات رکھنا اور ٹیلی فون کا استعمال بھی میاں کی اجازت سے کیا کرو۔

جب ہمیں خدا تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی تو ابّا جان نے مذاق سے میرے بچوں کے نام آڑو، خوبانی، چیری وغیرہ پھلوں کے ناموں پر رکھ دیئے جو اِس علاقے میں ہوتے ہیں۔ ہر سال جب سردیوں میں ربوہ جاتے تو ابّا جان کے

ہاں ہی ٹھہرتی بچوں کو بہت پیار کرتے اور بچوں کے لیے روزانہ کچھ نہ کچھ سپیشل منگواتے۔ بچے بھی انہیں کوارٹروں والے نانا ابو اور نانی اماں کہتے اور اکثر ربوہ سے میرے اور بچوں کے کپڑے تیار کروا کے یا سکردو بھجوا دیتے یا ہمارے آنے کا انتظار کرتے اور ہمارے ربوہ پہنچتے ہی ہمارے حوالے کر دیتے۔ ہر عید پہ ابّا جان باقاعدگی سے عیدی بھجواتے اور سب سے پہلے فون پر عید مبارک کہتے اور ساتھ ہی حضرت خلیفۃ المسیح کے لیے دعا کا کہتے۔ ابّا جان اور امّی جان کو خلافت احمدیہ کے ساتھ صرف محبت نہیں بلکہ عشق تھا اور گھر میں خاندان حضرت اقدس کے افراد کا نام بڑے احترام سے لیتے۔

آپ کو میرے بیٹے روبین احمد سے بہت پیار تھا۔ مکرمہ اسماء بزمی نے بتایا کہ جب نومبر 2011ء میں میں روبین احمد کو لے کر ربوہ گئی تو ان دنوں آپ شدید بیماری کی وجہ سے طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ میں داخل تھے میں بچے کو لے کر ابا جان کی مزاج پرسی کے لیے ہسپتال گئی تو ہسپتال کے منتظمین نے بچے کو استقبالیہ پر روک لیا اور میں اندر چلی گئی۔ آپ نے پوچھا روبین احمد کو نہیں لائے۔ میں نے کہا اسے اندر آنے کی اجازت نہیں ملی۔ ابا جان اسی حالت میں اٹھے اور بمشکل چل کر روبین احمد سے ملنے کے لیئے استقبالیہ پر آ گئے۔ قریباً دس منٹ تک بچہ سے باتیں کرتے رہے اور بسکٹ دے کر واپس اپنے بیڈ پر تشریف لے گئے۔

25/ مارچ 2011ء کو اچانک امّی جان دنیا سے رخصت ہو گئیں اور یہ غم ابھی تازہ ہی تھا کہ 18/ دسمبر 2011ء کو میرے جان سے پیارے ابّا جان بھی دنیا سے رخصت ہو کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گئے اور میں مکمل یتیم ہو گئی۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

میں اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ ایسے عظیم روحانی ماں باپ خدا تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے۔ جنہوں نے حقیقی ماں باپ سے بڑھ کر میری تعلیم و تربیت، خواہشات اور آئندہ زندگی کا خیال رکھا۔ میری آئندہ نسلیں بھی ان کے لیے دعا گو رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت اور سکون عطا فرمائے اور مجھے ان کی نصائح پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ یہ اُن بزرگ اور شفیق ماں باپ کی دعائیں ہی ہیں جن کی وجہ سے آج میں اپنے گھر میں خوش اور مطمئن ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آڑو خوبانی اور چیری جیسے خوبصورت اور ذہین بچے عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیک اور فرشتہ صفت ماں باپ سب کو عطا فرمائے۔

مضبوط عزم و ہمت کی درخشندہ مثال

(مکرم اظہر احمد بزمی صاحب، سکردو

زندگی میں ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جن کا ہر قول و فعل دوسروں کیلئے اسوہ ہوتا ہے اور اُن کی سادگی کو وِقار۔ جب آپ کو ایسے انسان سے واسطہ پڑے تو آپ سوچتے رہ جائیں کہ آخر یہ انسان اتنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اخلاق کا پیکر کیسے بنا۔ یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو بنی نوع انسان کیلئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کی پوری طرح پیروی کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو آپؐ کے مکارم اخلاق کے نقوش اُس انسان کے روز مرّہ کے معمولات پہ نظر آئیں گے۔ مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے والے ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے ایک تھے۔

دسمبر 2000ء میں خاکسار کی بطور مربی سلسلہ سکردو میں تقرری ہوئی اور خاکسار دسمبر سکردو میں گزار کر واپس ربوہ چلا

گیا۔ مارچ میں واپس گیا اور پھر اگست 2001ء میں اہلیہ کو لینے ربوہ گیا تو سوچا کہ کیوں نہ MTA کے دفتر سے کچھ مشاعروں کی ویڈیوز لے جاؤں سکردو کا ادبی ماحول ہے اور ویڈیوز سے پڑھے لکھے لوگوں سے رابطوں میں سہولت ہوگی۔ چنانچہ اسی خیال سے میں مکرم شاہ صاحب کے پاس دفتر میں حاضر ہوا اور تحریری درخواست پیش کی۔ آپ نے بیٹھنے کو کہا اور پوچھا کہاں سے آئے ہیں میں نے عرض کیا مبارک آباد سندھ سے۔ فرمانے لگے وہاں تو حضرت صاحب کے خاندان کی زمینیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہم نے بھی وہاں تھوڑی سی زمین خریدی ہوئی ہے اور والد صاحب بھی انجمن احمدیہ کی زمین پر ملازم تھے۔ سندھ کے معاملات کے بعد سکردو کی باری آئی اور یہ پہلی ملاقات جو خاکسار چند لمحوں کی سوچ کر گیا تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ پر محیط ہوگئی۔ میں درخواست پر دستخط کروا کر MTA آفس روانہ ہوا۔ آپ کی سادگی اور معلوماتی گفتگو کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔

پیغام مل گیا ہے آ کر اپنی امانت لے جائیں

ان ہی دنوں میں خاکسار اور اہلیہ نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کا پروگرام طے کر لیا اور دفتر رشتہ ناطہ سے بھی تعاون کی درخواست کی اور کئی جگہوں پر اپنے طور پر بھی رابطہ ہوا مگر حتمی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اپریل 2002ء کے پہلے ہفتہ میں جب خاکسار ربوہ میں تھا تو ناظر صاحب اصلاح وارشاد مرکزیہ کی طرف سے حکم ملا کہ گلگت میں کچھ تربیتی اور اصلاحی مسائل ہیں آپ سکردو جانے سے پہلے گلگت جائیں اور معاملات کے حل ہونے تک گلگت میں رہیں خواہ کتنے ہی دن لگ جائیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں خاکسار بمعہ اہلیہ گلگت روانہ ہو گیا اور قریباً اکیس روز گلگت میں قیام کرنا پڑا۔ جب اُن معاملات سے فارغ ہوئے تو مکرم اکبر شاہ صاحب (جو اسماعیلی فرقہ سے پہلے احمدی ہیں) مجھ سے کہنے لگے آپ کے لیے چھوٹا سا پیغام ہے میں کچھ دن پہلے مرکز سلسلہ گیا تھا اور مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب سے ملا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ بزمی صاحب دوسری شادی کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہماری بیٹی سے کیوں نہیں کر لیتے۔ ہم دونوں میاں بیوی اس اہم بات پر غور کرتے ہوئے سکردو روانہ ہو گئے۔ سکردو پہنچ کر ہم دونوں نے یہ رشتہ کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ مگر شاہ صاحب سے براہ راست بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور پھر خاکسار کی والدہ صاحبہ اور بھائی بہن وغیرہ سندھ میں تھے آخر دو تین دن سوچ کر میں نے مکرم نائب ناظر صاحب اصلاح وارشاد کو فون کیا اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو چوہدری محمود احمد بی ٹی صاحب کہنے لگے آپ خاموش رہیں میں خود بات کرتا ہوں۔ دوسرے دن چوہدری صاحب نے مکرم شاہ صاحب سے بات کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں میاں صاحب (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو اس وقت ناظر صاحب اعلیٰ تھے) سے مشورہ کر لوں اور پھر شاہ صاحب نے رشتہ کے اس پیغام کو قبول فرما لیا۔ لہٰذا دوسرے دن شام کو خاکسار نے خود شاہ صاحب کو فون کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے آپ کا پیغام مل گیا ہے آ کر اپنی امانت لے جائیں۔

یہ غالباً 8 رمئی 2002ء کا واقعہ ہے میں نے تاریخ پوچھی تو فرمایا کہ 26 رمئی کو آجائیں۔ چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی نے مل کر گھر کے ضروری کام کیے۔ دلہن کے لیے کمرہ تیار کیا اور بعض ضروری کام مقامی دوستوں کے سپرد کر کے شادی کے لیے مرکز روانہ ہو گئے۔ مکرم شاہ صاحب کے خدا پر توکل کا اندازہ لگائیں کہ نہ خاکسار کے گھر بار کا پوچھا نہ کسی عزیز رشتہ دار سے ملے۔ نہ یہ پوچھا کہ تنخواہ کے علاوہ بھی کوئی آمدنی کا ذریعہ ہے یا نہیں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا اور شاہ

صاحب کی فیملی سے شادی سے صرف دو دن پہلے ملا۔ نہ کپڑے زیور وغیرہ دیکھے کہ کیا لائے خدا پر توکل کر کے رخصتی کا انتظام کر دیا۔

خاکسار اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت سمجھتا ہے کہ شاہ صاحب جیسے خدا رسیدہ بزرگ سے ایک تعلق بن گیا۔ خاکسار کے نکاح ثانی کا اعلان بھی مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مورخ احمدیت نے کیا۔ رخصتی کی دعا کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) محترم شاہ صاحب کی درخواست پر ازراہ شفقت تشریف فرما تھے۔

اس شادی میں خدا تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی اور ایک بیٹا اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں۔ الحمد للہ۔ خاکسار کی اہلیہ خدیجہ گو شاہ صاحب کی منہ بولی بیٹی ہیں (جن کے تاثرات اس خصوصی شمارہ میں شامل ہیں) اور اسکی تعلیم و تربیت اور شادی شاہ صاحب نے کی مگر ہمیشہ ہمارے ساتھ حقیقی بیٹی اور داماد کا سلوک کیا۔ میں جب بھی آپ کے ہاں جاتا آپ دونوں میاں بیوی کھڑے ہو جاتے اور مجھ جیسے ناچیز کو بہت عزت دیتے اور بار بار ایک ہی بات کہتے کہ خدیجہ صرف آپ کی بیوی نہیں یتیم بچی بھی ہے اس کا بہت خیال رکھنا۔

مربی ہاؤس سکردو کی زمین محترم شاہ صاحب کے نام پر تھی جب 2009ء میں یہ جگہ بیچ کر نئی جگہ خریدی گئی تو باہمی تبادلہ میں نئی جگہ بھی شاہ صاحب کے نام پر انتقال ہوگئی۔ آپ بہت فکر مند تھے اور مربی ہاؤس کی تعمیر کے دوران بار بار فون کر کے تعمیراتی کام کی تفصیل پوچھتے اور کہتے کہ میں اس کام کی جلد اور بخیریت تکمیل کے لیے بہت دعا کر رہا ہوں۔

تحریر کی طوالت کے پیش نظر شاہ صاحب کے عزم و ہمت اور اطاعت امام کا صرف ایک واقعہ تحریر کروں گا جو مکرم شاہ صاحب نے دو سے زیادہ مرتبہ خاکسار کو خود سنایا۔ لہٰذا اسے ازدیادِ ایمان کے لیے تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک یادگار سفر

مکرم شاہ صاحب نے بیان فرمایا کہ جب میں جامعہ احمدیہ کے آخری سال کا طالب علم تھا گرمیوں کی چھٹیوں میں طلباء اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں اور ایک بنگالی طالب علم رہ گئے۔ میں مقبوضہ کشمیر سے اور وہ بنگلہ دیش سے تھے۔ ہمارا قریب کوئی گھر نہیں تھا۔ لہٰذا ہم جامعہ ہوسٹل میں رہ گئے۔ حضرت مصلح موعودکو علم ہوا تو ہم دونوں کو بلا کر فرمایا کہ آپ دونوں کرایہ لے لیں اور سکردو چلے جائیں۔ چنانچہ ارشاد کی تعمیل میں ہم روانہ ہوگئے۔ پنڈی پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس زمانے سب سے پہلے شمالی علاقہ جات کے پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر جا کر NOC لینا پڑتا تھا اور پھر سکردو جانے کی اجازت ملتی۔

ہم نے ایک عزیز سے رابطہ کیا۔ اور انہیں ساتھ لے کر پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر گئے کہ شاید ان کی وجہ سے NOC کی سہولت سے مل جائے۔ مگر آفس والوں نے ٹال مٹول سے کام لینا شروع کر دیا۔ راولپنڈی میں NOC کے انتظار میں قریباً ایک ماہ گزر گیا اور ہمارے کرایہ کے بہت سے پیسے بھی خرچ ہوگئے ہم دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ لوگ NOC دینے میں سنجیدہ نہیں لگتے اور حضرت صاحب کا حکم سکردو پہنچنے کا ہے۔ لہٰذا ہم دونوں دوسرے دن ایک جیپ پر سوار ہو کر مظفر آباد پہنچے اور پھر پیدل سکردو کے لیے روانہ ہوگئے۔ دریائے نیلم کے ساتھ ساتھ سفر اختیار کیا۔ جہاں رات ہوتی ہم رک جاتے اور صبح صبح پھر روانہ ہو جاتے۔ ہمارے پاس صرف ایک کپڑے کا بڑا تھیلا تھا جس میں پہننے کے لیے کچھ کپڑے اور بھنے ہوئے چنے تھے کوئی

بستر بھی نہیں تھا صرف دو موٹی سوتی چادریں تھیں جو رات کو اوپر لے کر لیٹ جاتے۔ ہمیں مظفرآباد سے بتایا گیا تھا کہ اس راستہ میں برفانی ریچھ اور کئی قسم کے جنگلی جانوروں سے بھی واسطہ پڑ سکتا ہے مگر ہم ہر چیز سے بے نیاز ہو کر محوِ سفر رہے اور پانچویں دن دوپہر کے وقت قریباً سات سو کلومیٹر کا دشوار گزار سفر پیدل طے کر کے سکردو پہنچ گئے۔ سکردو کیا تھا؟ چھوٹے چھوٹے کچے مکان اور ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر سادہ لوگ، ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے صرف پنڈی کا نام سنا تھا اور وہ عملاً سکردو کی ویلی سے باہر نہیں نکلے تھے۔ ہم نے ایک بندے سے بات کی جو تھوڑی بہت اردو جانتا تھا کہ ہم کچھ دن سیر کے لیے آئے ہیں کوئی کمرہ وغیرہ مل جائے تو ہم کرایہ دیں گے۔ بیس دن کے لیے اس نے ایک چھوٹے سے کمرے کا دس روپے کرایہ لیا اور کھانا پکانے کے لیے ایک دیگچی، چند برتن ہمیں دے دیے۔ شام تک ہم نے کھانا پکانے کے لیئے دکانوں سے کچھ چیزیں جمع کر لیں۔ سارا دن گھومتے پھرتے رہتے اور سکردو کے موسم سے خوب محظوظ ہوتے، رات کو اپنے کمرے میں آ کر سو جاتے۔ یوں گرمیوں کے ایام گزارے۔

ایک روز ہم صبح کے وقت علاقہ شگر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ پولیس کے دو سپاہی آ گئے اور کہا کہ آپ کو ڈپٹی کمشنر نے بلایا ہے وہ ہمیں ساتھ لے گئے۔ ڈپٹی کمشنر نے پوچھا کہ آپ کے پاس NOC ہے؟ ہم نے کہا نہیں وہ بولے تو پھر آپ سکردو کیسے آئے۔ ہم نے کہا ہم طالب علم ہیں ہم سیر کرتے کرتے مظفرآباد سے استور اور پھر دیوسائی میدان کراس کر کے پیدل آئے ہیں۔ وہ بہت حیران ہوئے۔ کمشنر صاحب نے کہا آپ کون ہیں۔ ہم نے کہا ہم احمدی ہیں۔ کمشنر صاحب نے پولیس والوں سے کہا دونوں لڑکوں کا سامان بھی ساتھ لے لیں ان کو ایئر پورٹ پر لے جائیں اور جیسے ہی جہاز آئے ان کو پنڈی بھیج دیں۔ اور ہمیں کہا کہ جہاز کی ٹکٹ کے پیسے دو۔ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی پیسے نہیں ہیں۔ ایک سپاہی نے کہا کہ یوسف دیوانی صاحب احمدی ہیں جو سکردو میں کاروبار کرتے ہیں۔ ان سے ٹکٹ کے پیسے لیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ دیوانی صاحب کو بلوا کر اُن سے ہماری ٹکٹ کے پیسے لیے گئے اور ہمیں سامان سمیت دو خچروں پر بٹھا کر ایئر پورٹ پہنچایا گیا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا اور ایک پولیس کا سپاہی ہمارے پاس بیٹھ گیا۔ وہ دروازہ کھولتا تو ہم قضاء حاجت اور وضو کے لیے باہر نکلتے۔ دو دن کے بعد ڈیکوٹر جہاز آیا اور ہمیں اس پر چڑھا دیا گیا۔ ہم پنڈی پہنچے اور مرکز پہنچ کر دو رپورٹیں تیار کیں۔ ایک میں اپنے سفر کے تفصیلی حالات اور دوسری سکردو کے حالات سے متعلق جو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھیج دیں۔ رپورٹیں ملاحظہ فرمانے کے بعد حضور نے ملاقات کے لیے طلب فرمایا اور ہم دونوں کو گلے لگایا اور فرمایا مجھے ایسے ہی باہمت نوجوانوں کی ضرورت ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جس محبت سے آپکے محاسن بیان فرمائے مجھے عرب کے مشہور شاعر متنبّی کا وہ شعر یاد آ گیا جو اس نے کسی قبیلے کے سردار کی وفات پر کہا تھا کہ:

مَا كُنْتُ أَحْسِبُ قَبلَ دَفْنِكَ فِي الثَّرىٰ

اَنَّ الْكَوَاكِبَ فِي التُّرَابِ تَغُورُ

کہ اے معزز شخص تیرے وفات پا کر مٹی میں دفن ہونے سے پہلے میں نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا کہ کبھی ستارے بھی زمین میں چھپ سکتے ہیں۔

عظیم واقفِ زندگی کی یادیں

- خاندانی تعارف وپس منظر۔وطن مالوف
- ان کی ساری عمر پیدائش سے لیکر وفات تک میرے سامنے ہے
- وہ اپنے دور کارکردگی میں خلافت حقہ کے باکمال تابعدار بن گئے
- میں حسرت کرتا ہوں کہ کاش مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہوئی ہوتی
- عمر میں ان سے بڑا ہو کر ہمیشہ انہی کو اپنا بزرگ سمجھتا رہا

(مکرم خواجہ عبدالغفار ڈار صاحب سابق مدیر اصلاح سرینگر)

وہ بہت ہی پیارے تھے

کسی کے ساتھ زیادہ پیار کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے کیونکہ رب سے زیادہ پیار، محبت اور جان نثاری اور کسی ذات سے نہیں ہوسکتی۔تاہم اسی پیارے خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے پیاروں کے ساتھ بھی پیار کرو۔میں شاہ صاحب کے بارے میں بہت جان گیا ہوں کہ انہیں اپنے رب کریم کے ساتھ بہت پیار تھا۔اسی کے راستے میں انہوں نے اپنی زندگی وقف کررکھی تھی۔

ان کی شادی آسنور کے معروف اور ہمارے خاندان میں ہوئی۔تعلیم ان کی جاری تھی جب انہوں نے گریجویشن کی اور وہ اپنے کام میں مگن تھے تو ہمارے ایک بزرگ جوان کی اہلیہ مرحومہ کے حقیقی نانا زاد تھے نے ازراہ ہمدردی شاہ صاحب کو تلقین کرنی چاہی کہ دنیاوی زندگی اختیار کریں تو باقی وقف زندگی سے کسی طرح انجمن سے اجازت حاصل کریں تاکہ آپ کے دنیاوی حالات بہتر ہوجائیں۔شاہ صاحب نے نانا جان کو کہا کہ میں نے اپنی آدھی زندگی وقف نہیں بلکہ ساری کی ساری وقف کی ہے۔شاباش شاہ صاحب آپ نے تو واقعی اپنے قول وقرار عہد زندگی کو کماحقہ سرانجام دیکر دکھا دیا

میں بدقسمتی سے آنکھوں کی بصارت سے تقریباً محروم ہوں۔حتیٰ کہ عمر بھر تلاوت قرآن کریم کی توفیق ملتی رہی اب تقریباً اس نعمت خداوندی سے محروم ہوں۔میں بارگاہ ایزدی میں عرض کرتا ہوں حیران اور پریشان ہوں کہ لکھوں تو کیونکر لکھوں مگر ایڈیٹر صاحب ماہنامہ انصاراللہ نے مشاورت 2012ء کے موقع پر بار بار پُر عجز درخواست کی تو میں نے حامی بھرلی۔شاہ صاحب کے بارے میں کچھ لکھنا اپنی ضعیف العمری کی بیماریوں کی وجہ سے شرح صدر نہیں پاتا مگر اس ذمہ داری اور سعادت سے محروم بھی نہیں رہا جاسکتا۔

وہ میرے دوطرح سے عزیز تھے انکی اہلیہ مرحومہ عزیزہ امۃ الودود صاحبہ میری بھانجی تھیں اور شاہ صاحب سے بھی دوتین طرح سے رشتہ داری تھی۔ان کی ساری عمر پیدائش سے لیکر انکی وفات تک میرے سامنے ہے۔میں عمر میں ان سے بڑا ہو کر ہمیشہ انہی کو اپنا بزرگ سمجھتا رہا۔اور ان سے فیض حاصل کرتا رہا۔

آپ کے والد بزرگوار سید عبدالمنان صاحب تھے اور والدہ مرحومہ کا نام فاطمہ بیگم تھا۔میری اپنی حقیقی ہمشیرہ انکی ہمنام تھی۔لہٰذا ہم بڑی آپا فاطمہ اور چھوٹی آپا فاطمہ کے نام

انت کے معنی ہیں ''بے شمار'' اور ناگ کشمیری زبان میں ''چشمہ'' کو کہتے ہیں۔ وادیٔ کشمیر کا دوسرا بڑا شہر اپنے اندر بے شمار چشموں کی وجہ سے انت ناگ کہلاتا ہے۔

سے یاد کرتے ہیں۔ یہ یاد ظاہر کرتی ہے کہ میرا ان سے رشتہ کس قدر قریبی تھا۔

انکے والدین جس قصبہ بلکہ جس تاریخی شہر بھیج بیہاڑہ میں رہتے تھے یہ جگہ انکی عارضی رہائش تھی۔ انکی والدہ گرلز سکول کی مدرس تھی یہی انکا اوڑھنا بچھونا تھا۔ میرا اس وقت جبکہ میں اخبار ''اصلاح'' سرینگر کشمیر میں کام کرتا تھا۔ ایک دو بار انھی کے ہاں رات کا قیام تھا۔ انکی ملازمت کے مسائل میں مجھے انکی کچھ خدمت کرنے کا موقع ملا۔

انت کے معنی ہیں ''بے شمار'' اور ناگ کشمیری زبان میں ''چشمہ'' کو کہتے ہیں۔ وادیٔ کشمیر کا دوسرا بڑا شہرا پنے اندر بے شمار چشموں کی وجہ سے انت ناگ کہلاتا ہے۔

کشمیر سے اظہار محبت

آپ عربی، فارسی، کشمیری اور اردو زبانوں کے بالخصوص عالم تھے۔ رسالہ ماہنامہ انصار اللہ فروری 2012ء میں انکی آخری عمر کی ایک شائع شدہ فوٹو سے عیاں ہے کہ وہ ایک جید قلم کار تھے۔ اسکے باوجود مادر وطن سے حُبُّ الْوَطْنِ مِنَ الاِیْمَان کے تحت انکو پیار تھا۔ بلکہ کشمیری زبان جو ضرب الامثال کا ایک خزانہ ہے اس زبان کے وہ ایک عالم تھے۔ اسی وجہ سے خلافت رابعہ میں جماعت احمدیہ کی خدمت قرآن کا یہ شگوفہ منظر عام پر آیا۔ قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ترجمہ اس کی ایک زندہ مثال ہے۔

شاہ صاحب مرحوم کو کشمیری ضرب الامثال کا ایک غیر معمولی ملکہ حاصل تھا اور اس سلسلہ میں ہم دونوں ایک دوسرے سے بازی حاصل کرنے کی کوشش بھی کیا کرتے تھے۔ پھر ہر کشمیری لفظ کے معنی پیدا کرنے کا بھی انہیں کمال حاصل تھا۔

جب میری کتاب ''مجموعہ مضامین'' اشاعت کیلئے پریس میں پہنچ گئی تو میں راولپنڈی میں بیمار پڑا ہوا تھا۔ مجھے شاہ صاحب کا فون آیا کہ آپ نے جو فوٹوز کتاب میں شائع

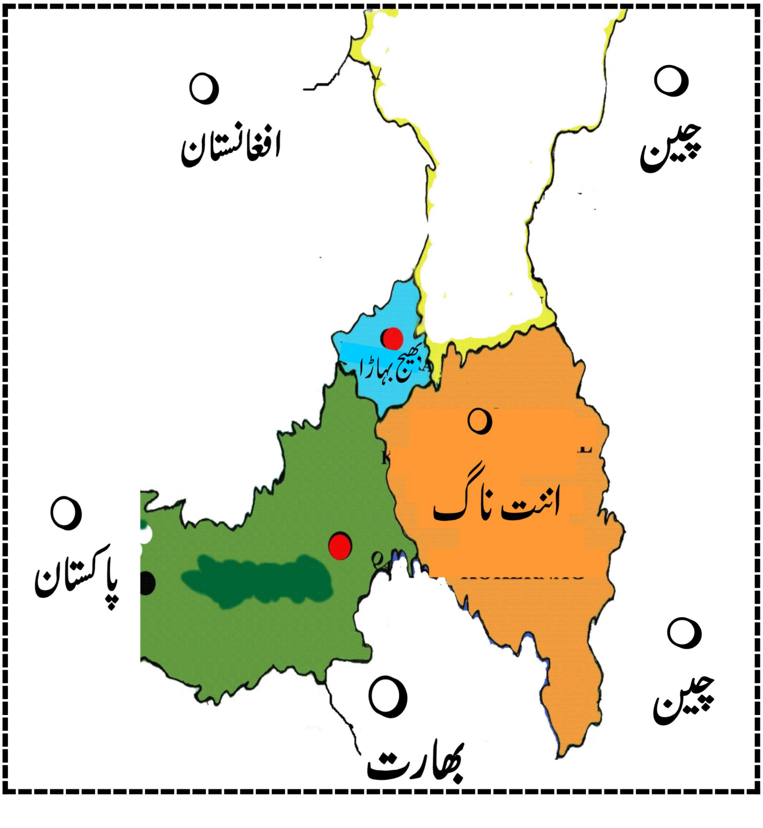

کرنے کیلئے کے دیئے تھے وہ پرنٹر و پبلشر نے باوجود وعدہ کے ابھی تک نہیں دیئے اور نہ ہی مجھے انکی جلد واپسی کی کوئی امید ہے۔اگر آپ اجازت دیں تو اس کتاب کو میں سادہ مرا کو جلد میں پریس میں دے دیتا ہوں۔ میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ اگر یہ صورت حالات ہے تو آپ مالک ہیں جو جی میں ہے کیجئے۔مگراس کے باوجود جب کتاب مکمل ہوکر ایک خوبصورت جلد کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی تو کتاب کی جلد پر مرصع اور وطن مالوف سرینگر کشمیر کے تین صحت افزاء مقام اور خوبصورت ترین سیر گاہوں کی تین تصویریں دیکھ کر نہ صرف حیران اور خوش ہوا بلکہ انکی کشمیر یات سے دلبستگی کی خوب داد دی۔

ایک تصویر شاہ صاحب کے آباؤ اجداد محلّہ خانیار کی ہی نظر آئی تو دل سے بے حد بے شمار دعاؤں کے ساتھ انکا شکریہ ادا کیا۔کیونکہ میں خود بھی ایک محبّ وطن کشمیری ہوں گو کتاب تذکرہ اولیاء کی طرح مرحوم احمدی اولیاء کے تذکرہ کا مجموعہ ہے۔اس دوران کی یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں مَیں علی الحساب شاہ صاحب کو رقم دیا کرتا تھا۔اور مجھے یقین تھا کہ ابھی مجھے اور رقم شاہ صاحب کو دینا ہوگی۔مگر میں حیران ہوا شاہ صاحب کے دیانتدارانہ لین دین پر کہ انہوں نے مجھے ایک حصہ رقم واپس کردی کہ یہ بچت ہوگئی ہے لہٰذا یہ امانت آپ کو واپس کرتا ہوں۔

انکی یادوں کے ساتھ میرے پیار کے آنسو

شاہ صاحب بفضلہٖ تعالیٰ ایک عظیم، ایماندار شخص تھے۔ میں انکی یاد میں معروضات لکھتے ہوئے آنکھوں سے بیماری کے آنسو ہی بہا رہا ہوں۔اور انکی یادوں کے ساتھ میرے پیار کے آنسو بھی شامل ہیں۔خداوند کریم انکو قبول فرما کر اس کار خیر کے صدقے میرے گناہ بھی بخش دے۔شاہ صاحب ایک سفید پوش احمدی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ پیدائشی احمدی تھے اور مرتے دم تک احمدیت کی ہی پناہ میں رہے۔اونچ نیچ مجھے نظر نہیں آرہی بس بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں۔حتیٰ کہ وہ مقام قرب الٰہی کے مسکن تام بہشتی مقبرہ میں پہنچ گئے۔

اباؤ اجداد

شاہ صاحب کے خاندان میں ہمیں دو سید خاندانوں کا ذکر ملا ہے۔ یہ دونوں سید صاحبان سگے بھائی تھے۔ایک کا نام سید حسن شاہ اور دوسرے بھائی سید حسین شاہ صاحب کہلاتے تھے۔دونوں بھائی پیشہ ور خطیب اور عالم تھے۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ دونوں بھائیوں نے میرے دادا حضرت حاجی عمر ڈار صاحب کے زمانے میں سرینگر سے ہجرت کر کے ہمارے احمدی علاقہ میں قدم جمائے۔ایک بھائی کی قسمت میں احمدیت نصیب ہوئی وہ ہماری جماعت کے خطیب بھی رہے انکا اسم گرامی سید حسین شاہ صاحب تھا۔

دوسرے سید حسن شاہ صاحب ہمارے گاؤں کے متصل ایک بہت بڑی بستی کے گاؤں موضع کٹرگام میں وہاں کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ عجیب اتفاق ہے ایک بھائی احمدیوں کے حصہ میں آیا اور دوسرا اہل حدیث کے حصہ میں چلا گیا قسمت اپنی اپنی۔

مکرم سید عبدالمنان شاہ صاحب

حسین شاہ صاحب کی اولاد حضرت قطب الدین شاہ صاحب مرحوم اور سید محمد یٰسین شاہ صاحب جماعت احمدیہ آسنور کے مدت العمر عہدہ دار بنے۔اس بھائی کی معروف بات ہے کہ انہوں نے دو شادیاں کی تھیں ایک علاقہ شوپیاں میں دوسری ہمارے علاقہ میں۔شوپیاں والی بیوی سے سید محمد یعقوب پیدا ہوئے وہ کٹر اہل حدیث ہی رہے۔ دوسری طرف یہ واقعہ ہوا کہ سید حسن شاہ صاحب کے ہاں صرف

ایک فرزند تولد ہوئے اور وہ بفضلہ تعالیٰ احمدیت کی آغوش میں آ گئے۔ انکا اسم گرامی سید عبدالمنان شاہ صاحب قرار پایا اور بفضلہ تعالیٰ وہ خود احمدی ہوگئے۔ یہ حالات راقم کو معلوم نہ ہوسکے البتہ یہ معلوم ہے کہ ہمارے گاؤں سے ملحق ایک چھوٹا سا گاؤں کوریل ہے۔ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا تو ہم نے مرحوم سید عبدالمنان صاحب کی بودوباش کوریل میں ہی پائی۔ اور وہ بھی اسی وجہ سے احمدیت کو قبول کرنے کے بعد ان پر یہ فضل الٰہی ہوا کہ کوریل بستی میں ایک اور تالیق خاندان سید محمد ابراہیم شاہ صاحب احمدی تھے۔ انہوں نے اپنی بلند اختر بیٹی مرحومہ فاطمہ بیگم صاحبہ سے شادی کرادی۔ سید عبدالمنان صاحب مرحوم کے صرف دو بیٹے ہوئے۔ سید عبدالحی شاہ صاحب مرحوم اور دوسرے چھوٹے بھائی سید عبدالمجید صاحب تولد ہوئے۔ بہن انکی کوئی نہ تھی۔ سید عبدالحی شاہ صاحب کی اولاد چار بیٹوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سید عبدالمجید کی اولاد بھی ہمارے رشتہ دار ہیں۔

مولانا سید عبدالواحد صاحب مرحوم

عزیزم شاہ صاحب کے شجرۂ نسب میں ایک معروف بزرگ مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ذکر بھی کرنا ہے۔ وہ شاہ صاحب مرحوم کے ماموں مولانا عبدالواحد صاحب مربی سلسلہ احمدیہ جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) کے ہم عصر بالفاظ دیگر کلاس فیلو تھے۔

مولوی عبدالواحد صاحب کے ساتھ بھی ایک تاریخی واقعہ گزرا ہے۔ وہ قادیان سے براستہ راولپنڈی، مظفر آباد سرینگر کا سفر کر رہے تھے۔ حضور نے ان کے ہاتھ میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے نام خفیہ خط دیا ہوا تھا۔ بدقسمتی سے مظفر آباد میں سے ان کو گرفتار کیا گیا اور ان کے کاغذات سے وہ خط بھی برآمد ہوا۔ ڈوگرہ حکومت کے ضلع مظفر آباد کے وزیر مزارات بشیر ناتھ کول نے ان کو اس خط کی بادریشن میں چھ ماہ قید سخت کی سزا دی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ مظفر آباد کشمیر میں سخت گرمی کا مقام ہے بیچارے عبدالواحد صاحب کو چکی بھی پیسنی پڑتی تھی۔ ظلم وجور کا دور تھا۔ مرحوم مولوی صاحب کا اس سزا کے دوران دماغ متاثر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں ماموں بھانجے کو اس طرح ایک عظیم خدمت ملک کا بھی موقع دیا ہے۔

سید عبدالمنان صاحب اور انکی اہلیہ مرحومہ فاطمہ بیگم کی نیک سیرت کے بے شمار واقعات ہیں۔ جن میں سب سے افضل اور بہتر یہ ہے کہ انکی نیک تربیت کے ہی نتیجہ میں شاہ صاحب مرحوم نے اپنی زندگی سلسلہ عالیہ احمدیہ کیلئے وقف کی اور تاحیات اپنے اس وقف کو نہایت شاندار طریقے سے نبھایا اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا تاریخی خطبہ جمعہ، شاہ صاحب کے حسن اخلاق اور خلافت سلسلہ کے جاں نثار کے طور پر تاریخ احمدیت کا ایک عظیم الشان حصہ کہلائے گا۔

خدمتِ کشمیر

شاہ صاحب مرحوم کی یاد میں ایک اہم واقعہ انکی خدمتِ کشمیر ہے۔ اس واقعہ کا ذکر مختصراً حضرت مصلح موعود کے خط میں بھی آیا ہے مگر چونکہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اسلئے اسکی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔ یہ رتن باغ لاہور کا واقعہ ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ نے ایک دن مجھے طلب فرما کر مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم نے اس کام کے سلسلہ میں کیا سوچا ہے۔ میں نے عرض کیا حضور بے شک راستہ مشکل اور خطرے سے خالی نہیں تاہم میں بشرح صدر حاضر ہوں جس طرح بن پڑے گا حضور کی دعا سے کامیاب ہوکر پھر خدمت میں حاضر ہونگا۔ فرمایا یہ ٹھیک ہے مگر تم مدت دراز تک سرینگر میں رہ چکے ہو اور لوگ تم کو جانتے ہیں۔ یہ کوئی سادہ سی وضع قطع کا قابل اعتماد کوئی نوجوان ہونا

مرحوم ایک لاعلاج بیماری میں مبتلا تھے مگر اپنے تمام فرائضِ سلسلہ کو بہت ہی صبر، ہمت سے کرتے

چاہیئے۔ میں نے عرض کیا حضور ایک نوجوان سید عبدالحی کو مناسب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ شاہ صاحب واقف زندگی نوجوان تھے۔ اور حضور انکو بخوبی جانتے تھے۔ چنانچہ اس مشن پر انہیں بھیج دیا گیا اور الحمدللہ کام سرانجام دیکر صحت وسلامتی کے ساتھ واپس پہنچ گئے۔ انہوں نے کام سرانجام دیکر اس عاجز کے نام عربی رسم الخط میں لکھا کہ بفضلہٖ تعالیٰ حضور کی دعاؤں سے کام ہو گیا۔ وہ خط میں نے اپنی کتاب ''داستان کشمیر'' میں شائع کر دیا ہے۔ اس سفر کا میں زندہ گواہ موجود ہوں۔ بقیہ دو بزرگان حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب اور حضرت مولانا عبد الرحیم درد صاحب مرحوم خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔

آپ کی زندگی کرشمہ ساز زندگی کیونکر بنی ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ انکی اپنی پاک طینت کا جہاں دخل ہے انکے والدین کی تربیت کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ میں یقین اور وثوق سے عرض کرتا ہوں کہ اس کرشمہ سازی میں انکا اپنا عمل دخل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی راہ مولیٰ میں بسر کرنے کا مصمم فیصلہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دور کارکردگی میں خلافت حقہ کے باکمال تابعدار بن گئے۔ میں حسرت کرتا ہوں کہ کاش مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہوئی ہوتی۔

آداب واخلاق

ہمارے قرابت داروں کا بین الاقوامی جماعت احمدیہ کے زیر سایہ کافی بڑا سلسلہ ہے۔ اس تمام برادری کے اندر سب سے نمایاں شخصیت بھی بلا مبالغہ شاہ صاحب مرحوم کی ہنس مکھ شخصیت تھی۔ وہ ہمارے ماحول میں ایک ہنس مکھ انسان تھے۔ بعض اوقات بات کر کے خود تو سنجیدہ ہوتے اور سامعین وحاضرین اس زعفران سے زار ہو کر اپنی ہنسی کو مشکل سے ہی سنبھال پاتے تھے۔

خوشی کی تقاریب میں ہم ہمیشہ ان سے ہی دعا کراتے تھے۔ ازراہ کرم جب شاہ صاحب تقریب دعا کا اعلان کراتے تو آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ چونکہ برادری میں زیادہ معمر ہوں اس وجہ سے خاکسار کا نام لیا جاتا۔ مَیں اس موقع پر باآواز بلند سامعین تک بات پہنچا دیتا کہ اس تقریب کے بابرکت ہونے کی دعائے خیر شاہ صاحب کرائینگے۔ شاہ صاحب اب ہم میں نہیں اور نہ ہی اس قسم کی کوئی تقریب عمل ہوا کریگی۔ خاکسار کو ایک دفعہ بھی انکی جانب سے بے صبری کا مظاہرہ مشاہدہ میں نہیں آیا۔ موجودہ دور زندگی میں جبکہ مرحوم ایک لاعلاج بیماری میں مبتلا تھے مگر اپنے تمام فرائض سلسلہ کو بہت ہی صبر، ہمت سے کرتے اور بارگاہ ایزدی میں شکر گزاری کی کیا بات ہے۔ مگر اس بیماری میں جو گھر میں انکو رفیق حیات ملی تھیں وہ گھر میں گزارنے والے اوقات انکے لئے نہایت صبر وسکون کا باعث ہوتے تھے۔ نہایت ہی خدمت کرنیوالی اور انکے ہم وغم میں انکی شریک حیات تھیں۔ جب انکے متعلق معلوم ہوا کہ وہ دل کے بھی مریض ہیں مگر ہم نے دیکھا کہ زندگی کا آخری ایک ایک لمحہ بھی بارگاہ الٰہی میں شکر گزاری سے گزار گئے۔

خاکسار جب بھی ربوہ جاتا دارالضیافت میں انکی موجودگی اور محبت کی وجہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارتا۔ انکی وفات پر ربوہ میں انکے اسی گھر میں موجود تھا۔ میں نے خواہش کی تھی کہ اگر میری بقیہ عمر بارگاہ الٰہی میں انکو مل جاتی تو مجھے خوشی ہوتی مگر ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ جو کچھ ہوا ہم انکی خوبیوں کی وجہ سے کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

- الفاظ کی لغت اور محاورہ پر عبور حاصل تھا۔ صرفی ونحوی حیثیتوں کا کماحقہ علم تھا
- حضرت مسیح موعودؑ کے علم کلام کو اپنی استعداد و قابلیت کے موافق سمجھا اور اس کی تفاصیل کو ذہن میں مستحضر رکھتے
- خلفائے سلسلہ کے خطبات اور علمی کارناموں کا مطالعہ وسیع تھا۔ جماعتی لٹریچر سے بخوبی آگاہ تھے
- جودت طبع، روشنی فکر، بلندی خیال اور لطافت مزاج آپ کو تخلیقی کاموں پر مائل رکھتی
- ان کی صحبت رنگارنگ تھی۔ معلومات افزا تھی۔ علم دوست اور علم پرور تھے
- علم اخلاق میں حکمائے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے۔ وہ ان میں پائے جاتے تھے
- علم کمایا، علم پھیلایا اور قندیلِ علم ہمیشہ روشن رکھی

(مکرم ملک خالد مسعود صاحب ناظر اشاعت ربوہ)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ جب زیر تعمیر تھا اور فضل عمر ہوسٹل میں قیام تھا ان ایام میں مجلس خدام الاحمدیہ کے تربیتی پروگرام کی ایک شق ''صحبتِ صالحین'' ہوتی تھی اور ہر خادم کو اپنی ماہانہ کارگزاری میں یہ بتانا ہوتا تھا کہ دوران ماہ کتنی مرتبہ صحبت صالحین کی غرض سے بزرگان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اسے توفیق ملی۔ گو کہ اس عمر میں بزرگوں کی ملاقات کے فیضان اور برکات کا تو چنداں عرفان نہ تھا مگر خدام الاحمدیہ کے پروگرام میں حصہ لینے کی غرض سے ہم رفقاء کرام اور دیگر بزرگان سلسلہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کے لئے حاضر ہوتے۔

خوشا وقت کہ بزرگوں سے ملنا نہایت آساں ہوتا تھا۔ جب جاؤ، ان کے دروازے کھلے ہوتے اور کوئی رسمی روک حوصلہ شکن نہ ہوتی۔ بلکہ ان کی توجہ والتفات اور محبت وشفقت حوصلہ افزا ہوتی۔ وہ خدا کے پیارے باوجود پیری وضعیفی اپنی اگلی نسل کی تربیت، بہتری اور بھلائی کے خیال سے جسمانی تکلیف اور بے آرامی برداشت کرتے۔

حضرت مولانا راجیکی، حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری اور دیگر رفقاء کی خدمت میں حاضری کی توفیق ملتی۔ دعا کی درخواست عرض کرتے تو استجابت کا اسی وقت اشارہ پاتے۔ سائلین کے سوالات کے وہ جواب دیتے اور مشکلات میں ان کی راہنمائی فرماتے یا اپنی طرف سے موقع اور محل کے مناسب کچھ فرماتے۔ حاضرین سب یکساں فیض پاتے ان صحبتوں کا فیض تھا کہ جو کام محض مجلسی مشاغل میں شرکت کی مجبوری سے شروع ہوا۔ اس کی ایسی چاٹ لگ گئی کہ بے

اختیاری سے حسب معمول اس جانب قدم رواں ہو جاتے۔ گو ہوسٹل سے باہر جانے کی بالعموم حوصلہ شکنی کی جاتی مگر اس غرض کیلئے باہر جانا مستحسن سمجھا جاتا اور ہم نے اس اجازت اور مہلت سے خوب استفادہ کیا۔ چنانچہ اس شوق تمنا نے سرگرم عمل رکھا اور اس مقصد کیلئے صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز میں بھی ہمارا ہر ہفتہ آنا جانا معمول بن گیا۔ اس آمد و رفت کے دوران میں ایک مرتبہ ایک خوش شکل اور خوش وضع اور خوش پوشاک شخصیت کچھ فاصلہ سے آتی ہوئی نظر آئی۔ پروقار، خوش رفتار اور وضعدار۔ مست حال یہ شخص قریب آیا تو نظر ان کی ٹوپی پر پڑی۔ سیاہ رنگ کی قراقلی کی اونچی ٹوپی جو انہوں نے زیب سر کر رکھی تھی۔ اس کے پہننے کے انداز کے بانکپن نے دل کو لبھایا۔ ٹوپی سر پر سیدھی استوار ہونے کی بجائے ایک طرف خمیدہ اور جھکی ہوئی تھی۔ اس ادائے کجکلاہی میں ایک شان دلربائی تھی۔ یہ طرز کجکلاہی بہت ہی پسند خاطر آیا۔

اَفْشُوْا السَّلامَ کا ماحول

بسا اوقات ایک اجنبی کو دیکھتے ہی اس کی کسی نمایاں طرز، دلربا ادا، ظاہری حسن کی کوئی علامت نظروں میں ایسی جچ جاتی ہے کہ اس کی یاد ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہے اور پہچان کی ایک ابتدائی علامت ٹھہر جاتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہوا۔ تعارف کے لئے اپنے ساتھیوں سے پوچھا مگر وہ بھی ان سے ناواقف تھے۔ اس زمانہ میں ربوہ کے ماحول کی ایک امتیازی اور دلکش خوبی یہ بھی تھی کہ ہر چھوٹا بڑا راہ چلتے ہوئے دوسرے کو السلام علیکم کہتا۔ خواہ جان پہچان اور واقفیت ہوتی یا ناواقف اور اجنبی چہرہ ہوتا اور سلام کہنے میں سبقت لے جانے کا شوق بھی سوا تھا۔ غرضیکہ اَفْشُوْا السَّلامَ کی عملی تفسیر ہر آن اور ہر گام جلوہ گر ہوتی اور سلامتی کی اس دعا کا یہ سلسلہ گھر سے نکل کر واپسی تک جاری و ساری رہتا۔ ان سے بھی علیک سلیک ہوئی اور وعلیکم السلام کہہ کر وہ آگے نکل گئے۔ اس طرح کئی مرتبہ آمنا سامنا ہوا۔ پہچان اور شناخت کی شروعات ہوئیں کیونکہ اب روبرو ہوتے تو ان کی نظروں میں شناسائی کی جھلک ہوتی اور متوجہ ہو کر متبسم چہرے کے ساتھ علیک سلیک کرتے۔ بعدہٗ ان کا غائبانہ تعارف بھی حاصل ہو گیا کہ ان کا نام نامی سید عبدالحی شاہ صاحب ہے اور مجلس خدام الاحمدیہ کے مرکزی عہدیدار اور دفاتر میں خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ زبانی سلام سے بات مصافحہ تک پہنچی اور وقت گزرتا رہا یہ گو عمر کے لحاظ سے بھرپور جوانی کے عالم میں تھے مگر ان کے انداز و اطوار اور لباس و پوشاک اور رکھ رکھاؤ اور سبھاؤ اور برتاؤ میں وقار کا رنگ تھا۔ چہرے پر سنجیدگی اور متانت کے آثار نمایاں تھے۔

بزرگی بعقل است نہ بسال

یہ کہانی ایک مدت مدید اسی دائرے میں سرگرداں رہی اور اسے کوئی نیا عنوان نہ مل پایا۔ گو کہ چہرہ شناسائی تو تھی مگر ابھی اجنبیت کی حدود کے قریب تر۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات سبزیاں یا پھلدار بیلیں جو سردیوں کے ایام میں کاشت کر دی جاتی ہیں۔ بیج سے نبات اور روئیدگی کا عمل تو ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر شدت موسم کی ناموافقت کی وجہ سے بالیدگی اور روئیدگی نہیں پاتیں۔ ان کو ڈھانپ دیا جاتا ہے ان میں طراوت تو قائم رہتی ہے لیکن جب موسم خوشگوار اور سازگار ہوتا ہے تو یک لخت بڑی سرعت کے ساتھ یہ نشو و نما اور شادابی پکڑتی ہیں اور پھول پھل لاتی ہیں اور اوّل موسم کا پھل ہونے کے باعث قدر و قیمت پاتی ہیں۔ کچھ ایسی ہی

میں آج تک یہ دریافت نہیں کر پایا ہوں کہ ان کے اور میرے درمیان قدر مشترک کیا تھی

کہانی یہ بھی ہے کہ تعلق کا بیج جو ایک عرصہ پہلے کا کاشتہ تھا۔ شناسائی کی صورت میں نمو کی کیفیت منصۂ شہود پر تو آچکی تھی مگر میل ملاقات کے مواقع بہم نہ ہونے کی وجہ سے ہنوز نشوونما نہ تھی تو میل جول اور گفتگو کے مواقع میسر ہوئے تو اس میں گرمجوشی آئی اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ترقی ہوئی۔ گوکہ محترم شاہ صاحب کی طبیعت کچھ ایسی تھی کہ دو چار ملاقاتوں میں کھلنے والے نہ تھے۔ کم آمیز تھے، کم گو تھے۔ طبیعت میں حجاب تھا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے مجھے قریب آنے کا راستہ دیا۔ میں آج تک یہ دریافت نہیں کر پایا ہوں کہ ان کے اور میرے درمیان قدر مشترک کیا تھی۔ وہ اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ حسن کردار کے بلند مدارج پر تھے۔ اور ع :من دانم کہ من آنم۔

شاید اس تعلق اور کشش میں محرک یہ ہو کہ وہ علم پرور تھے اور میں طالب علم تھا۔ بہر کیف جو بھی ہو وہ مجھ پر مہربان تھے۔ سادگی، بے نفسی، نرم گفتاری، شگفتہ مزاجی اور وفا کیشی وہ عناصر تھے جنہوں نے ان کی شخصیت کو جاذب اور پرکشش بنا رکھا تھا۔ مرے دل میں ان کی بہت عزت و ارادت تھی اور ہے۔ غرضیکہ یہ علاقہ افادہ و استفادہ رو بہ ارتقاء رہا۔ ربط و ارتباط کے اس عمل سے رفتہ رفتہ ایک گونہ بے تکلفی اور اپنائیت کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

محترم شاہ صاحب سے صحبت صالحین کی راہ سلوک پر آمنا سامنا ہوا تھا۔ اس مناسبت سے ان کے ساتھ نشستوں اور ملاقاتوں کے حوالے سے ان کے ذکر خیر کے ثواب میں شریک ہوتا ہوں۔ ان سے ملاقات قریباً ہر روز ہی ہوجاتی۔ وہ یاد فرمالیا کرتے تھے۔ ان ملاقاتوں میں متنوّع موضوعات پر باتیں ہوتیں۔ اور وہ خود ہی کوئی حدیث دلکش لاتے کہ افسانہ از افسانہ می خیزد کا مصداق ہوجاتی۔ بات سے بات نکلتی۔ تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے۔ محترم شاہ صاحب بڑھاپے اور ضعیفی کے دور میں داخل ہو چکے تھے اور کئی امراض اور عوارض لاحق حال تھے۔ اور کام ان کا اس نہج اور طرز کا تھا کہ جس میں دماغ سوزی اور ذہنی مشق زیادہ تھی۔ تین چار گھنٹے کی محنت شاقہ کے بعد تھک جاتے۔ نیز ان کے پاؤں متورّم رہتے تھے اور طویل نشست جس میں پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا پڑتا تو ورم میں اضافہ ہو جاتا۔ اس صورت حال میں ان کے لئے ایک وقفہ درکار ہوتا تھا۔ یہ لمحۂ فرصت ان کی ضرورت اور تقاضا تھا اور چائے کا ایک کپ اس کا بہانہ۔ اور ہمارے لئے صحبت صالحین کا موقع۔

اس دوران ہلکی پھلکی گفتگو جاری رہتی۔ اور حالات حاضرہ اور علمی مسائل اور علمی نکات اور معرفت کی باتیں ہوتیں۔ پندرہ بیس منٹ کے اس دورانیہ میں محترم شاہ صاحب کے لئے تو ایک طرح سے ذہنی آسودگی کی صورت نکلتی ہوگی۔ مگر ہمارے لئے ازدیادِ علم کا ایک موقع بہم ہو جاتا۔

جب کبھی شام کے وقت یا چھٹی کے روز باہم بیٹھنے کا موقع میسر ہوتا تو سیر حاصل بحثیں بھی ہوتیں۔ وہ سناتے بھی اور سنتے بھی اور اس دو طرفہ تبادلۂ خیالات میں بہت مزہ آتا۔ اور ان کی دلچسپ باتوں میں بڑا لطف ہوتا۔ ان کی صحبت میں کبھی تھکاوٹ نہ ہوتی بلکہ اختتام پر تشنگی کا احساس باقی رہتا۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر احساس ہوتا کہ محترم شاہ صاحب کو علم کی کئی شاخوں سے دلچسپی ہے اور وسیع مطالعہ ہے۔ وہ متفرق موضوعات پر باتیں کرتے اور اپنی فکر اور سوچ اور خیال کو جچے تلے الفاظ میں بیان کرتے۔

علمی گفتگو کو بڑی ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ درجہ بدرجہ مرحلہ وار آگے بڑھاتے۔ اور سامع کے مبلغِ علم کو مدنظر رکھ کر بات کو چلاتے۔ اس کے اعتراض کو اس کے مزاج کے حوالے سے دور کرنے کی کوشش کرتے۔ نقل و عقل کو بڑی

تاریخ کے مضمون میں آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ تاریخ اسلام اور دیگر تواریخ کی کافی واقفیت رکھتے۔ تاریخی واقعات اوران کا تجزیہ اور نتائج، اپنی باتوں میں تاریخی واقعات کو موقع اور محل پر بیان کرکے بات کی چاشنی اور تاثیر کو دوبالا کر دیتے۔ اسماء الرجال کی چلتی پھرتی کتاب تھے۔ سلسلہ کی تاریخ کا ماخذ اور بڑا ذخیرہ تھے۔

مہارت سے استعمال میں لاتے۔ استنباط و استخراج، مسائل کی طرز بڑی عمدہ ہوتی۔ عجلت پسندی اور شتاب کاری اور بے زاری کا کوئی شائبہ ظاہر نہ ہوتا۔ میں نے ان سے علمی موضوعات پر بکثرت اپنی حاجت براری کے لئے حاضری دی اور تشفی پائی۔ تبادلۂ خیالات کے دوران ان کی یہ خوبی اور وصف نمایاں ہوتا کہ اپنے مؤقف یا جواب یا رہنمائی میں زبردستی کا عنصر نہ ہوتا۔ ماحول کو آزاد اور خوشگوار رکھتے۔ اپنی رائے یا خیال مسلط نہ کرتے بلکہ دوسرے پر اپنا مؤقف اس انداز اور اسلوب سے پیش فرماتے کہ حجت اور دلیل غالب ہوتی۔ نتیجہ کھلا چھوڑ دیتے۔ بہرحال ان کی بات دل میں اترتی۔ طرز کلام ایسا تھا کہ نپی تلی بات کرتے۔ اپنی علمیت اور فاضلیت کی بڑائی اور تفوق، اظہار یا ایماء کا احساس نہ ہوتا۔

آپ کو خدا تعالیٰ نے ذہانت وفطانت سے نوازا، حافظہ اور یادداشت عمدہ تھی۔ باریک بینی اور تحقیق وتفحص کا شوق اور شغف تھا۔ مطالعہ تو گویا ان کی خوراک تھی۔ کثرتِ مطالعہ اور غور وفکر کی عادت نے ان کی علمیت میں نکھار پیدا کر دیا تھا بولتے تو بامعنی اور پُر اثر اور بلیغ گفتگو کرتے۔ علمی مجلس کے رموز اور اسرار پر دسترس تھی۔ سماعتوں کو گرفتار کرنے کے مشاق تھے۔ اور بات کو دلچسپ اور جاذب توجہ بنانے کے ماہر تھے۔ گفتگو میں واقعات، ضرب الامثال، استعارات، تلمیحات اور علم معانی کی دیگر اصناف کو بڑے سلیقہ اور ہنر کے ساتھ برمحل استعمال میں لاتے کہ مدعا کی تاثیر اور ابلاغ کمال کو پہنچ جاتا۔

صاحبِ علم و دانش

آپ ایک متبحر عالم دین تھے۔ الفاظ کی لغت اور محاورہ پر عبور حاصل تھا۔ صرفی ونحوی حیثیتوں کا کماحقہ علم تھا۔ تراکیب اور بندشوں سے بخوبی آشنا تھے۔ عبارات کے ظاہری حسن اور خوبصورتی کو پہچان کر لطف اٹھاتے۔ اوران کے مطالب ومعانی کو اخذ کرکے اور دلنشیں کرکے فائدہ اٹھاتے۔ غرضیکہ ان کا پڑھنا سرسری اور سطحی نہ ہوتا بلکہ ظاہری ومعنوی خوبیوں اور کمالات اور عجائبات سے بخوبی آشنا ہوکر مطالعہ کا حق ادا کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف وملفوظات کا بنظر تعمق مطالعہ کیا۔ اور ان روحانی خزائن کے دقائق ومعارف کو معلوم کرنے میں ہردم کوشاں رہتے۔ ان کی باتوں سے احساس ہوتا کہ انہوں نے لفظ لفظ پر رک کر ڈوب کر گہرے معانی اخذ کئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کو اپنی استعداد وقابلیت کے موافق سمجھا اور اس کی تفاصیل کو ذہن میں مستحضر رکھتے۔ خلفائے سلسلہ کے خطبات وخطابات اور علمی کارناموں کا مطالعہ وسیع تھا۔ جماعتی لٹریچر سے بخوبی آگاہ تھے۔ کسی نکتہ پر بات ہوتی تو فوراً حوالہ ان کے ذہن میں آجاتا۔ سائل کے سوال اور اشکال کو بڑی وضاحت اور خوش اسلوبی سے رفع کرکے مطمئن کر دیتے۔ اور عام طور پر ذہن میں کوئی نہ کوئی نقطہ اور دقیقہ معرفت زیرِ فکر رکھتے۔ اس کی جگالی کرتے رہتے۔ بزرگان سلف کے نظریات وخیالات واعتقادات کو بنظر غائر پڑھا ہوا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں ان کی بات چیت میں وسعت

وگہرائی ہوتی۔ علمی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے اور بیان کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔

لندن میں یاجوج ماجوج کے مجسمے

علمی جستجو اور حقائق کی تلاش کا شوق تھا۔ ایک دفعہ شاہ صاحب اور میں لندن میں اکٹھے ہوگئے، فرمانے لگے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے تحریر فرمایا ہے کہ لندن میں یاجوج ماجوج کے مجسمے ہیں۔ وہ دیکھنے چاہئیں اور بڑے شوق کا اظہار کیا۔ چنانچہ اسی جستجو میں لگے رہے۔ آخر کار بڑی محنت کے بعد پتہ لگا ہی لیا۔ دیکھنے کا پروگرام طے پا گیا۔ ٹرانسپورٹ اور گائڈ بھی میسر ہوگیا۔ اس دن مجھے کوئی ضروری کام آن پڑا۔ میں نے یہی سمجھا آپ ہو آئے ہوں گے۔ دوبارہ ملاقات ہوئی تو بتایا کہ پروگرام مؤخر کر دیا تھا، تم نہیں تھے۔ دوبارہ پروگرام بنا ہم دونوں وہاں گئے۔ مجسمے دیکھے ان کی تصاویر لیں اور کافی وقت وہیں گزارا۔ ان مجسموں کی تعارفی تحریروں کو بغور پڑھا۔ اور بار بار کہا کہ دیکھو اس زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے یہ معلوم فرمایا اور اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس پر بہت خوش تھے۔

تاریخ کے مضمون میں آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ تاریخ اسلام اور دیگر تواریخ کی کافی واقفیت رکھتے۔ تاریخی واقعات اور ان کا تجزیہ اور نتائج۔ اپنی باتوں میں تاریخی واقعات کو موقع اور محل پر بیان کرکے بات کی چاشنی اور تاثیر کو دوبالا کر دیتے۔ تاریخ ساز شخصیات کے کارنامے اور مدبرانہ حکمت عملیوں کی باتیں سناتے۔ اسماء الرجال کی چلتی پھرتی کتاب تھے۔ انساب، حالات اور واقعات از بر تھے۔ سلسلہ کی تاریخ کا ماخذ اور بڑا ذخیرہ تھے جو باتیں سینہ بہ سینہ چلتی ہیں وہ ان کو بکثرت یاد تھیں۔ جب بھی بزرگ و معروف شخصیات یا جماعتی امور کا تعارف پوچھا، سنا دیا۔ غرضیکہ جو بھی پوچھا جواب پایا۔ جتنا پوچھا اس سے سوا پایا۔ ان کے حافظہ کا کمال تھا کہ موقعہ پر فوراً باتیں مستحضر ہوجاتیں۔ تاریخی اعتبار سے یادگار چیزوں کی تفصیل بھی یاد تھی۔ قادیان کی ابتدائی عمارتیں ان کی توسیع، تبدیلی، مقامات اور تاریخی اہمیت کی اکثر چیزیں یاد تھیں۔ مقتضائے حال کے مطابق یادیں نزول کرتیں۔ بڑے دلچسپ انداز میں بیان فرماتے اور تعارف کرواتے ہوئے ان سے جڑے ہوئے ذہن میں محفوظ واقعات بیان کرتے۔

سچی اور سُچی علمی جستجو

علم کی جستجو اور طلب سچی اور سُچی تھی۔ خود سوال اٹھاتے اپنا نقطۂ نظر بیان کرکے تصدیق و توثیق کراتے اور دوسرے کی رائے یا خیال کو معلوم کرتے۔ طلب علم کی راہیں کشادہ اور ہموار رکھتے، جو حاصل مطالعہ ہوتا، ان کی عادت تھی کہ جو سوچ وفکر کا ماحصل ہوتا، موازنہ کا نتیجہ اخذ کیا ہوتا اس میں اپنے ساتھیوں کو شریک کرتے۔ کوئی نہ کوئی نئی بات سامنے لاتے رہتے۔ ان کی علمی کاوش دوسروں کے لئے مائدہ بن جاتی۔ اس طرح حلقہ احباب کے علمی معیار کی بلندی کا سامان ہوتا۔ ان کی صحبت مشک فروش کے پاس بیٹھنے والی بات تھی۔ ہر ایک بقدر ظرف واستطاعت اس فیض عام سے حصہ پاتا۔ کم سے کم خوشبو کی حد تک تو فائدہ سب کو پہنچ جاتا۔ علم وآگاہی اور دانش ودانائی۔ دینی معرفت اور عرفان کی باتیں کرتے۔ آہ کہ: ع

خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا

علم الابدان میں شوق وشغف

حدیث نبویؐ ہے کہ علم دو ہی ہیں علم الادیان اور علم الابدان۔ علم الادیان کے طالب علم تو وہ تھے ہی، علم الابدان

میں بھی شوق وشغف رکھتے تھے۔طب سے بالخصوص بڑی دلچسپی تھی یونانی طب پر ان کا خاصا مطالعہ تھا۔نباتاتی پودوں اور جڑی بوٹیوں کی پہچان ان کے عربی، فارسی ، ہندی اور انگریزی نام ان کو معلوم تھے۔حتی کہ ہر مفرد کے انواع اوراقسام، کس علاقہ میں پائی جاتی ہیں اور کون سی اعلیٰ شمار ہوتی ہیں، جانتے تھے۔مفردات کے خواص ،تاثیرات، ان کے بدرقہ، قدرخوراک سے زائد استعمال کے مضرات اور تریاق، ان کے مرکبات، انسانی مزاج اوران کی علامات اور ہرمزاج کی بیماریوں کا ذکرکرتے۔

جراحت کے بارہ میں بھی کبھی بتاتے۔اس زمانہ کے آلات جراحت کیا کیا تھے ان کے نام کیا تھے، فصدخون سے علاج وغیرہ۔تشخیص کے بھید اور راز اور پرانے حکماء کے واقعات سناتے۔طب کے علاوہ، ایلوپیتھک میں بھی دلچسپی تھی۔بتاتے تھے وہ فضل عمر ہسپتال میں کچھ عرصہ ڈسپنسنگ کا کام بھی کرتے رہے۔ہومیوپیتھک میں ان کی معلومات میں اضافہ اس وقت ہوا جب آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہومیوپیتھی پرعظیم الشان کتاب کی اشاعت کی سعادت پائی۔اس زمانہ میں آپ نے ہومیوپیتھی کی کئی کتب کا گہرائی میں مطالعہ کیا۔غرضیکہ طب کی مبادیات سے کماحقہ روشناس تھے۔

علوم جدیدہ میں دلچسپی

ان کی دلچسپی کا ایک اور میدان جدید سائنسی ایجادات اور دریافتیں بھی تھا۔جدید ایجادات خاص طور پر پریس سے متعلق، کمیونیکشن کے بارہ میں ہرنئی بات کورسائل سے پڑھ کر آگاہی رکھتے۔ان کے بیٹے کمیونیکشن کی فیلڈ میں اعلیٰ حیثیتوں سے کام کررہے ہیں۔ان کے ذریعہ اپنی معلومات کوتازہ کرتے رہتے اوراپنا شوق پورا کرتے۔کیونکہ جدت اوراختراع میں دلچسپی ان کی طبیعت کا حصہ تھا اوراپنے علم کو اپنے شوق کے دائرے میں تازہ رکھتے۔جب کبھی کوئی نیا نکتہ اورنئی تحقیق کا پتہ چلتا اس کو بہت Appreciate کرتے۔

ایک دفعہ ان کے بیٹے نے ان سے ذکرکیا کہ سائنس کی ایک جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ دنیا multi dimensional ہے۔ہماری موجودہ senses صرف space & time کومحسوس کرسکتی ہیں۔تو کہنے لگے کہ علامہ ابن عربی نے ایک جگہ ذکرکیا ہے کہ دنیا کی گیارہ dimension ہیں۔اس لئے یہ درست ہی لگتا ہے۔فرمایا جس طرح اس کمرے میں ریڈیو ٹی وی اورموبائل وغیرہ سب کی ویوز موجود ہیں مگر ہر سگنل کو decode کرنے کیلئے ہمیں الگ الگ فریکوئنسی کو ٹیون کرنا پڑتا ہے۔اس لئے مختلف dimension کومحسوس کرنے اوران کا ادراک کرنے کیلئے بھی اس کے مقابل وہی senses چاہئے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اگلی دنیا میں اس طرح کا سلسلہ ہو۔

لسانیات میں گہرا ذوق

آپ کوزبان دانی کی طرف بھی گہرامیلان تھا۔فلالوجی پر ان کی باتیں بڑی دلچسپ ہوتیں۔حضرت شیخ محمد احمد مظہرصاحب نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے انقلاب انگیز اورعظیم الشان علمی انکشاف کہ عربی ام الالسنہ ہے، پرجو تحقیق کی اورکئی زبانوں کے عربی زبان سے نکلنے کے ثبوت مہیا کر کے متحقق کر دکھایا کہ عربی ام الالسنہ ہے۔ان کا تمام ریسرچ ورک لفظاً لفظاً پڑھا اور سمجھا ہوا تھا۔اوراس کو بیان کرتے اورکئی نئی باتیں بھی پیدا کرتے رہتے۔

سرائیکی اور جانگلی بولی میں عربی کے مستعمل الفاظ اپنی اصلی یا بدلی ہوئی حالتوں میں موجود ہیں، تلاش کرتے۔مجھ سے اکثر پوچھتے کہ تمہاری بولی میں بتاؤ کون کون سے الفاظ

ہیں جو عربی ہیں۔ میں بعض الفاظ بتاتا تو بہت خوش ہوتے۔ نمازوں کے نام، نماز ادا کرنے کے متعلقات، کھانے کی بعض چیزیں۔ ایک دفعہ پوچھا کہ رہٹ کے پرزوں کا نام لو۔ اتفاقاً مجھے یاد تھے سنائے۔ پھر فرمایا کہ چرخہ کے بتاؤ۔ بتائے تو بہت محظوظ ہوئے۔ الغرض معلومات اکٹھی کرتے ان کو مختلف مقامات پر رکھ کر اپنی تحقیق کے عمل کو جاری رکھتے۔

آپ کو اپنے وطن وادیٔ کشمیر میں رہنے کا موقع بہت کم میسر آیا۔ پرائمری تک وہاں تعلیم پائی اور پھر دینی تعلیم کی غرض سے قادیان چلے گئے۔ تقسیم ملک پر ربوہ آ گئے اور ساری عمر یہیں بسر کر دی۔ اس لحاظ سے کشمیری زبان سے ان کا واسطہ ابتدائی تعلیم اور ایک ڈیڑھ سال مابعد قیام تک محدود رہا مگر آپ نے کشمیری زبان سے تعلق پکڑے رکھا اور ترقی کی۔ چنانچہ خلافت رابعہ میں جب قرآن کریم کا کشمیری زبان میں ترجمہ ہوا تو آپ نے اس ترجمہ کی نظر ثانی کی اور اس کی زبان کو بہتر اور معیاری بنانے میں گرانقدر خدمت کی توفیق پائی۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی اور کشمیری زبانوں کے کلاسک لٹریچر کا مطالعہ رکھتے تھے۔ زبان دانی کا شوق تھا اور ان کے الفاظ تراکیب اور باہم جوڑ اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں آ کر کیا تبدیلیاں پا گئے اور ان کے استعمال وغیرہ معلوم کرنے میں بڑی دلچسپی تھی۔

فنون لطیفہ سے طبعی مناسبت

آپ کو فنون لطیفہ سے ایک طبعی مناسبت تھی۔ آپ کی جودت طبع، روشنیٔ فکر، بلندیٔ خیال اور لطافت مزاج آپکو تخلیقی کاموں پر مائل رکھتی۔ ان کا جمالیاتی ذوق ترقی یافتہ تھا۔ فطرت کی جلوہ آرائیوں سے محظوظ ہوتے۔ قدرتی مناظر کی خوبصورتی اور دلکشی اور رنگ آفرینیوں کی تعریف کرتے۔ رعنائی خیال سے لے کر حسن انسانی، نباتاتی تنوّع اور نازکی، جمادات اور بالخصوص پتھروں کے رنگوں کی دلآویزیوں پر تحسین کی نظر رکھتے۔ حسن و جمال کے پرستار تھے اور ساتھیوں کو بھی اس کی رعنائیوں اور خوش نمائیوں کی طرف متوجہ کر کے دعوت نظارہ دیتے۔ **صد سالہ جوبلی کے مونوگرام ڈیزائن پر کافی لوگوں نے کام کیا۔ آپ نے بھی اس سلسلہ میں کاوش کی۔ حضور نے آپ کے ڈیزائن کردہ مونوگرام کو قبول و منظور فرمایا۔** اشاعتی کاموں میں بھی ظاہری خوبصورتی اور ان کو دیدہ زیب بنانے کی کوشش کرتے۔ کتابت کے مختلف انداز اور خط جو مروّج رہے ہیں یا نئے رائج ہوئے کی باریکیوں سے آشنا تھے۔

ان کی صحبت رنگارنگ بھی معلومات افزا بھی

الغرض ان کی صحبت رنگارنگ تھی۔ معلومات افزا تھی۔ علم دوست اور علم پرور تھے۔ محترم شاہ صاحب کو خداداد قابلیتوں اور استعدادوں کو کماحقہ بروئے کار لانے کی توفیق ملی۔ ان کامگاریوں اور بامرادیوں اور کامیابیوں پر ان کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ یہ سب کچھ میری کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔ محض اللہ کا فضل یقین کرتے۔ اپنی کسی کامیابی پر نازاں نہ ہوتے۔ اور ستائش وصلہ کی خواہش و امید تو غالباً ان کے دل میں جنم ہی نہ لیتی تھی۔ بلکہ اس کے برعکس دیکھا۔ میں نے ان سے دو چار مرتبہ عرض کیا کہ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ آپ کو گزشتہ حالات و واقعات تمام جزئیات کے ساتھ ازبر ہیں۔ اپنے حالات ہی تحریر کر دیں۔ طبیعت میں استغناء تھا۔ خاموش ہو جاتے یا بات بدل کر ٹال دیا کرتے۔ ایک دن غالباً میں نے اس پر اصرار کیا۔ خاموش رہے۔ دو تین روز بعد قاصد کے ہاتھ مجھے ایک چٹ بھجوائی جس پر سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر نہایت خوبصورت خط

میں رقم تھا۔

ثنائے خود بخود گفتن نہ زیبد مردِ دانا را
چوں زن پستانِ خود مالد کجا لذت شود باقی

یہ شعر پڑھ کر میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ان کی قدر ومنزلت اور بڑھ گئی اور اپنی حالت اور سوچ کو مقابلہ میں رکھ کر دیکھنے سے ایک سبق پایا۔ع

خودستائی جان من برہان نادانی بود

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

ان کے ساتھ ملاقات کی فرصتیں کم میسر ہوئیں۔ان سے کسبِ فیض کے مواقع خاطر خواہ بہم نہ ہوئے۔اور وہ چلے گئے تو دل سے آہ نکلی۔ع

حیف کہ درچشم زدن صحبت یار آخر شد

کسی دانا کا مقولہ ہے جو شخص تین چیزوں کا دعویٰ تین چیزوں کے بغیر کرتا ہے وہ یقین جانے کہ شیطان اس سے مذاق کرتا ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا شخص لوگوں کی تعریف وثناء بھی چاہتا ہے اور پھر اخلاص کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔کتنی سچی اور کھری بات ہے۔ **درویش صفت اور صوفی منش بزرگ تھے۔اپنے حال میں مست اپنے کام سے پیوست خود نمائی اور خودستائی سے بے نیاز، کسی تعریف وتوصیف سے لاپروا۔اپنی راہ پر استوار ساری زندگی بسر کی۔اپنا تشخص ابھارنے کے لئے کسی کو کم نہ کیا۔اپنی بڑائی کو ثابت کرنے کے لئے کسی کا درجہ نہ گھٹایا۔**

اس لئے اس کو سمجھتا ہوں میں برتر خود سے
وہ کہیں بھی مجھے کم تر نہیں ہونے دیتا

حلیم ،خلیق، باذل کریم اور متواضع تھے۔شگفتہ جبیں ایسے کہ ان کو دیکھنے سے غم کوسوں دور بھاگتے۔فصیح بیان ایسے کہ ان کی بات سن کر ایک نئی روح قالب میں آئے۔باغ احمدیت کے گل رعنا تھے۔یہ گل کھلا اور اپنی خوشنمائی سے قلب ونظر کو گرمایا۔اور اپنی خوشبو سے ہر سو کو مہکایا اور اپنے وقت پر رخصت ہو گیا۔ع

روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

حیات صوفی غنیمت است

آپ کو سردی بہت لگتی تھی۔اس وجہ سے اون اور پشمینہ کا زیادہ استعمال کرتے۔اس طرح صُوف سے ظاہری نسبت بھی قائم تھی۔ان کے پاس کشمیر سے آئی ہوئی اون کی ایک گرم چادر تھی۔جب فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھے ہوتے اور اوپر وہ لپیٹی ہوتی ،محویت میں سر جھکائے کسی فکر وخیال میں ڈوبے ہوئے براجمان ہوتے تو نظر بھی صوفی ہی آتے تھے۔صوفیانہ شیوہ و روش تھی۔کسی کو مبتلائے آزار کرنا تو درکنار کسی کی معمولی دل شکنی بھی گوارا نہ ہوتی۔مروت ومحبت، نرم روی اور عفوودرگزر ہمیشہ طریق رہا۔صاف باطن اور پاک دل تھے۔

حیات صوفی غنیمت است وہم
برائے خویش وہم برائے دیگران

یہ لوگ امن کے شہزادے ہوتے ہیں اور نعرہ زن رہتے ہیں۔ع مرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔

انا اور خود پسندی، عجب وپندار کے جھمیلوں سے آزاد ہوتے ہیں۔یہ بے نفس اور خاکسار، نرم گفتار وملنسار، معاشرت کا قرار اور مدار ہوتے ہیں۔انہیں دیکھ کر دل کو حقیقی راحت اور دلی خوشی ہوتی ہے۔ان کی نیکیاں اور روح پرور باتیں ہمیشہ یادوں کا حصہ رہتی ہیں۔اور قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔

بریں رواق زبر جد نوشتہ اند بذر
کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا

صاحب نظر، صاحب طرز، صاحب خبر، وضعدار اور خوش اطوار تھے۔ ع

اب نظر کا ہے کو آئیں گی وہ تصویریں کہیں

المختصر، عالم تھے۔ طبع سلیم اور ذہنِ مستقیم رکھتے تھے۔ بزرگوں کے احوال، گزشتہ علماء کے اقوال، واقعات، مناظروں مباحثوں کے نکات لطیفہ بکثرت یاد تھے۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مرحوم کے ساتھ علمی تحقیقی کام میں لمبے عرصہ تک معاونت کی۔ ان کی ذکاوت اور برجستہ گوئی اور باریک بینی اور تبحر علمی اور نکتہ سنجی کے مداح تھے اور وہ پُر لطف اور پُر کیف واقعات سناتے۔ آپ کو جماعتی لٹریچر پر عبور تھا اور وہ مستحضر تھا اور بوقت ضرورت بروئے کار لانے کا ملکہ تھا۔ اپنی قابلیت اور طاقت کے موافق اپنے مفوضہ فرائض کو روبراہ رکھنے کی توفیق پائی۔ علم کمایا۔ علم پھیلایا اور قندیل علم ہمیشہ روشن رکھی۔

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا
شہر میں ایک چراغ تھا، نہ رہا

اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ خوبیوں کے جامع تھے۔ علم اخلاق میں حکمائے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں، وہ ان میں پائے جاتے تھے۔ مگر اپنی کسی ذاتی خوبی کو وجہ افتخار نہ بنایا۔ دل میں ایک ہی فکر ہوتی ایک ہی خواہش ہوتی کہ خلیفۂ وقت کی ہدایت کی لفظاً و معناً تعمیل ہو۔ ان کے منشاء اور سہولت کے مطابق کام انجام پائے۔ وہ کام سے خوش اور راضی ہوں اور مزید خدمت کی توفیق میسر رہے۔ خوب آدمی تھے اور خوب تر زندگی گزاری۔ انجام بخیر پایا۔ ان کے انخلاء سے دل کا ایک خانہ مستقلاً خالی ہو گیا۔ مگر ان کی پر لطف صحبتوں کی یاد باقی رہ گئی۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترم شاہ صاحب کی وفات پر آپ کا جس محبت بھرے انداز اور تعریفی رنگ میں ذکر خیر فرمایا۔ ان کی خوبیوں اور اوصاف، ان کی خدمات، ان کے صدق و وفا اور اخلاص و عقیدت کا ذکر فرمایا۔ اور ایک پورا خطبہ جمعہ اس حوالے سے ارشاد فرمایا۔ قابل رشک ہے۔ یہی ایک خادم دین کا منتہائے مطلوب اور غایت مقصود ہوتا ہے و بس۔

یہ ذکر خیر سن کر ان کی روح بے اختیار پکار اٹھی ہوگی۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ۔ اس ذکر نے ان کو امر کر دیا۔ اور لِسَانَ صِدْقٍ فِي الآخِرِينَ کے مصداق ٹھہر گئے۔ یہ ذکر رحمت و شفقت کا کلام اور عزت و شرف کا مقام اور تکریم و قبولیت کا نشان ہے۔ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْن۔ طوالت کے خوف سے ان کی علمی موشگافیوں اور تخیّل کی بلند پروازیوں، نکتہ طرازیوں اور مزاجی شگفتگیوں کے اذکار کو عمداً چھوڑ دیا تاہم بات لمبی ہو گئی۔ مجبور تھا۔ ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

غرض تو یاد ش بخیر تھی۔ تمنا مختصر مگر تمہید طولانی۔

بہر کیف ع

نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

اللہ تعالیٰ آپ کو جوار رحمت میں جگہ دے، درجات بلند فرمائے۔ اپنے پیارے اور مطاع اور عظیم وجودوں جن کی اس زندگی میں وہ قربت اور پیار کے متمنی اور حریص رہے۔ آخرت میں بھی ان کی قربت میں رکھے۔ ع

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

نظارت اشاعت میں بے نظیر خدمات

ایک فنا فی اللہ واقف زندگی

تحقیق وتدقیق کے کاموں میں فنی مہارت رکھنے والے دعا گو وجود

اہل علم کے قدر شناس اور ان سے محبت رکھنے والے

کشمیر کی چند دلکش یادیں

تادم واپسیں سلسلہ کے کاموں میں مگن رہے

(مکرم محمد یوسف شاہد صاحب نظارت اشاعت ربوہ)

بزرگوار سید عبدالحی شاہ صاحب کی شخصیت ایک فانی فی اللہ وجود کی مالک تھی انکو خاکسار نے تنہائی میں اکثر اپنے منہ پر دعا کے انداز میں ہاتھ رکھے دیکھا۔ یہ انکی بے خودی کا ایک عالم ہوتا۔ آپ کا یہ معمول مارچ 2011ء کے بعد زیادہ ہو گیا تھا۔ گھر پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ انکا کیسا راز و نیاز تھا یہ وہ جانیں یا انکا مولیٰ۔ خاکسار نظارت اشاعت میں مکرم شاہ صاحب کے پاس نومبر 1995ء میں آیا۔

نوٹس درس القرآن

ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے درس القرآن کی تیاری کے سلسلہ میں نظارت اصلاح وارشاد مقامی و مرکزیہ سے مربیان عاریۃً لئے جاتے اور ان سے اس سلسلہ میں خدمات لی جاتیں۔ تمام نوٹ جو تیار کرنے کیلئے منتخب ہوتے خواہ عربی کے ہوں یا اردو میں وانگریزی میں۔ آپ ان کا بغور جائزہ لیتے بالخصوص عربی ترجمہ کا اور اگر اس میں اصلاح کی ضرورت ہوتی تو اصلاح کر دیتے۔ اور پھر کام کی مصروفیت کے باوجود ان نوٹس کو خوشخط لکھنے میں ہمارے ساتھ ہو جاتے۔ عمدہ ہینڈ رائیٹنگ کی بدولت آپ کا خط ہم سب سے نمایاں اور نفیس ہوتا۔

خلافت رابعہ میں جن دنوں درس القرآن ہوتا تھا آپ مفوضہ امور کے آغاز سے لیکر ان کے حضور کو ارسال کرنے تک اپنی ٹیم کے ساتھ کام کرتے اور اس وقت تک اٹھ کر نہ جاتے تھے جب تک یہ تسلی نہ ہو جاتی کہ اب ہم نے اتنا یا اس قدر کام کر لیا ہے جس قدر حضور انور کی ڈیمانڈ تھی۔ اکثر ٹیم کے ساتھ ہی اٹھتے خواہ رات کے دو یا تین ہی بج جاتے۔ مکرم شاہ صاحب مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب حضور انور کو ٹیلی فون کرنے کے بعد کہ وہ FAX کیلئے کاغذات بھجوا رہے ہیں جانے والے دوست کو روانہ کر دیتے اور پھر پوری ٹیم کے ساتھ لائبریری کو چھوڑتے۔ رمضان المبارک کے دنوں میں اکثر رات گئے تک کام ہوتا۔ اس کی وجہ درس کے دوران نئے سے نئے نکات جو حضور بیان فرمانا چاہتے انکے حوالہ جات کی تلاش ہوتی تھی۔

جس حوالہ کے بارہ میں شرح صدر نہ ہوتا آپ کبھی بھی وہ حوالہ حضور کی خدمت میں ارسال نہ کرتے

حوالہ جات ارسال کرنے میں محتاط رویہ

درس القرآن کے سلسلہ میں تمام حوالہ جات جو منتخب کئے جاتے مکرم شاہ صاحب انکو پڑھتے اور پھر ان میں سے جو انتخاب ہوتا اسکے تراجم کئے جاتے تھے۔ ہر ترجمہ شدہ حوالہ کو مکرم شاہ صاحب پھر چیک کرتے۔ اس چیکنگ کے بعد تمام حوالہ جات کو خوشخط لکھا جاتا تھا۔ رمضان المبارک میں ہنگامی کام ہوتا تو آپ دفتر سے ہی مربیان کو اس کام میں ہاتھ بٹانے کیلئے بلوا لیتے تھے۔ جس حوالہ کے بارہ میں شرح صدر نہ ہوتا آپ کبھی بھی وہ حوالہ حضور کی خدمت میں ارسال نہ کرتے۔ کئی دفعہ کہتے یہ حوالہ حضور کے مزاج کے خلاف ہے۔ کبھی کہتے یہ حوالہ فلاں موقع پر حضور کے سامنے پیش ہوا تھا تو آپ نے پسند نہ فرمایا تھا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک دفعہ تحریراً ارشاد فرمایا کہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث کے حوالہ جات ارسال نہ کریں نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شان نزول والی کتب سے حوالہ جات نہ لیا کریں۔ آپ اس ارشاد کے بعد صحاح ستہ سے بڑی احتیاط سے حوالہ جات بھجواتے۔ تاہم جب کبھی حضور اپنی طرف سے وضاحت کیلئے کوئی حوالہ منگواتے تو بھجوا دیا جاتا۔ حضور کے ایماء پر صحاح ستہ سے لی گئی وہ چند احادیث ہی کافی ہو جاتیں۔ جب درس، خطاب یا خطبہ میں حضورؒ ان کی پُر معارف تشریح فرماتے تو وہی احادیث کافی ہو جاتیں۔ اور مکرم شاہ صاحب بہت خوش ہوتے اور بار بار شکر الٰہی بجا لاتے۔ کام کرتے وقت رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم کا مضمون ہمیشہ انکے دل میں رہتا اور اسکا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔

دوسروں کی ضروریات کا لحاظ

مکرم شاہ صاحب اپنے رفقائے کار کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور اس ٹیم کا خصوصی طور پر خیال رکھتے تھے جو حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے ملنے والی ذمہ داری کو سرانجام دیتی تھی۔ اس ٹیم کے افراد کے معقول مشورہ جات کو قبول فرماتے تھے۔ خاکسار جب نظارت اشاعت میں آیا تو ابتداءً ایک عزیز کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ آپ نے ایک دن خود ہی دریافت کیا کہ آج کل کس محلّہ میں رہ رہے ہو؟ خاکسار نے عرض کیا کہ کرایہ پر فلاں محلّہ میں۔ آپ کی زیر نگرانی جدید پریس کے کوارٹروں میں سے ایک کوارٹر ان دنوں خالی تھا مگر اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی مکرم شاہ صاحب نے اسے دیکھنے کا کہا۔ خاکسار نے جا کر دیکھا اور عرض کی کہ اسی طرح قبول ہے چنانچہ مکرم شاہ صاحب نے مجھے اس کی چابیاں مکرم قاضی منیر احمد صاحب سے لینے کا ارشاد فرمایا اور خاکسار پھر اس طرح جدید پریس کے کوارٹرز میں آ گیا۔

’’تِلْکَ بِتِلْکَ‘‘

درسوں کے سلسلہ میں کام کرنے والی ٹیم سے حضور کو بڑی محبت تھی انکے کام کے بارہ میں جب مکرم شاہ صاحب تحریر فرماتے تو بڑی دعاؤں کے ساتھ حضور کی طرف سے جواب موصول ہوتا جو سب کیلئے بڑی خوشی کا موجب ہوتا۔ رمضان المبارک کے بعد حضور کی طرف سے دو تین مرتبہ تمام ورکرز کی پکنک بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے فارم پر ہوئی تمام انتظامات مکرم ناظر صاحب اعلیٰ و امیر مقامی کی حیثیت سے ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ آپ خود بھی پکنک میں رونق افروز

ہوتے تھے۔ ایک دفعہ مکرم شاہ صاحب نے دوران پکنک خاکسار کو کہا "تِـلْـكَ بِتِـلْـكَ" یعنی یہ پکنک اس وجہ سے ہے جو آپ لوگ حضور کے ارشادات کی تعمیل میں کام کرتے ہیں۔ مکرم شاہ صاحب کو امام وقت کی خوشی سے بڑی خوشی ہوتی تھی اور آپ اس کا بار بار ذکر کر کے لطف اندوز ہوتے اور سامعین کا لطف دوبالا کرتے۔

درس کے کام میں مکرم شاہ صاحب کا طریق تھا کہ کبھی کبھی فرصت کے لمحات میں واقفین زندگی کو وقف کے تقاضے پورا کرنے کے بارہ میں سمجھاتے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے کہ" اِنَّ صَلَاتِـیْ وَنُسُکِـیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِـیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْـعَالَمِیْن " (انعام:164) کو دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی ہر سانس خدا کیلئے ہو اس لئے ہمارا ہر سانس خدا کی رضا کے حصول کیلئے گزرنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مکرم شاہ صاحب کا ہر سانس وقف تھا۔ واہ! واہ! سید عبدالحی آپ جیسے ہر کسی کے نصیب نہیں ہوتے کہ دنیوی زندگی میں بھی امام الزمان راضی ہو اور جب سفر آخرت پر روانہ ہو جائیں تو بھی امام الزمان خوشنودی کا اظہار فرمائے بلاشبہ یہ رضائے باری تعالیٰ اور خدائے ارحم الراحمین کے رحم کی نوید ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔

انتھک محنتی وجود

دفتری کاموں میں کئی دفعہ تحقیق کے دوران مشکل مراحل آجاتے مگر آپ انہیں بڑی تندہی سے حل کرتے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک کتاب میں "فتوحاتِ مکیہ" کے دو تین حوالے آئے، عربی کتاب تھی۔ کام کے دوران اس طرف شاہ صاحب کی توجہ مبذول ہوئی کہ کیوں نہ ان حوالہ جات کو اصل کتاب سے دیکھا جائے۔ مکرم شاہ صاحب نے فتوحات مکیہ کا پرانا ایڈیشن لانے کا ارشاد فرمایا۔ خاکسار پرانے ایڈیشن کا سیٹ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے لے آیا۔ ایک جلد آپ نے لے لی اور ایک مجھے تھماتے ہوئے کہا کہ یہ حوالہ صبح تک تلاش کرنا ہے۔ دعا کر کے کام شروع کر دیں، پہلی جلد میرے پاس ہے اس میں دو جگہ سے حوالہ لیا گیا وہ میں تلاش کروں گا۔" یہ دفتری اوقات کے آخری لمحات کی بات ہے۔

اگلے روز آپ دفتر تشریف لائے تو بڑے خوش تھے خاکسار کو بلوایا اور دریافت کیا کہ حوالہ مل گیا؟ خاکسار نے عرض کیا جی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل گیا ہے۔ اتنے خوش ہوئے جیسے انہیں بہت بڑی دولت مل گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے تحریر کردہ حوالہ جات مل جاتے تو حضرت اقدسؑ کی صداقت کا ثبوت فراہم ہونے کے باعث بہت خوش ہوتے۔ بعدہٗ مکرم شاہ صاحب نے جو حوالہ رات دیر تک مطالعہ کے بعد تلاش کیا تھا اس عاجز کو دکھایا۔ اس لمحہ آپ بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس پروردگار نے ہمیں کامیابی سے نوازا۔ بعدہٗ وہ حوالہ جات فوٹو کاپی کروا کر محفوظ کروا دیئے اور ہدایت فرمائی کہ حضور کی کتب کے جو حوالہ جات اصل ماخذ سے تلاش کریں انکا فوٹو کاپی کی صورت میں ریکارڈ رکھیں۔

تحقیق کے ڈھنگ بھی سکھاتے

مکرم شاہ صاحب کے پاس کام کرنے کے دوران بسا اوقات ایسے بھی ہوا کہ کسی صاحب نے علم منطق، فلسفہ یا تصوّف کی کسی اصطلاح کی وضاحت طلب کر لی۔ تو آپ اس خط پر تحریر فرماتے "تحقیق رپورٹ"۔ ایک دفعہ ایک ایسی ہی اصطلاح کے بارہ میں لغات سے دیکھ کر رپورٹ پیش کی تو کہنے لگے صرف ڈکشنری کی بات لکھنے سے بات نہیں بنتی اور نہ یہ تحقیق مکمل تحقیق ہے۔ فلاں فلاں کتاب دیکھو چنانچہ

خاکسار نے شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق تحقیق کے دائرہ کو پھیلا کر رپورٹ پیش کی تو بڑے خوش ہوئے اور پھر حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ تحقیق کرنے کے ڈھنگ بھی ہمیں سکھاتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے علم کلام میں علم منطق، فلسفہ اور علم تصوف کی اصطلاحات بھی استعمال فرمائی ہیں ۔ جامعہ احمدیہ کے ایک فارغ التحصیل نے ''کتب حضرت مسیح موعودؑ میں مستعمل اصطلاحات کی وضاحت'' کے عنوان پر مقالہ لکھا۔ شاہ صاحب اصطلاحات کے معاملے میں جب بھی کوئی معاملہ پیش ہوتا اس مقالہ کو ضرور دیکھنے کا ارشاد فرماتے اور ہمیشہ ہی صاحب مقالہ کی محنت کی بڑی تعریف کرتے۔

ایک دفعہ خاکسار نے کسی کام کے سلسلہ میں کسی دوسرے ادارہ سے مدد لینے کے سلسلے میں عرض کی تو کہنے لگے'' کام وہی ہے جو خود کرلیں دوسروں سے مدد مانگنا تو بیساکھیاں لے کر چلنے کی طرح ہے۔''

دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھتے

آپ دفتر میں کام کرنے والے افراد کے اچھے پہلوؤں اور خوبیوں پر نظر رکھتے اور وہ کمزوریاں جن سے درگزر کر کے گزارا ہوسکتا ہے ہمیشہ ان کمزوریوں سے صرف نظر کرتے۔ یہ وصفِ اولیاء ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ مکرم شاہ صاحب ہمیشہ ہرانسان کی اچھائیوں پر نظر رکھتے۔

ترجمۃ القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں دیگر احباب کے ساتھ خاکسار کو بھی مکرم شاہ صاحب کی معاونت کی توفیق ملی۔ آپ CD اور پرنٹ اپنے ساتھ لنڈن لے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضور نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور بعد از ملاحظہ اسی کے اوپر اشاعت کیلئے تحریر فرمایا اور دستخط فرمائے۔ واپسی پر وہ نسخہ آپ اپنے ساتھ لیتے آئے۔ تمام کام کرنے والوں کو بلایا، حضور کے دستخط دکھائے اور اس بشاشت اور خوشی کا جو حضور کو یہ کام مکمل ہونے پر ہوئی تھی اتنے خوبصورت اور حسین انداز میں ذکر کیا کہ ہم شاہ صاحب کی زبانی سننے کے باوجود حضور کی خوشی کے مزے ایسے لے رہے تھے جیسے خود حضور کے پاس ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ترجمۃ القرآن کلاس میں سوالات کیلئے ایک دن مخصوص تھا۔ اس سلسلہ میں بعض سوالات کے تفصیلی جوابات کیلئے حضور انور مکرم ناظر صاحب اشاعت کو تحریر فرماتے تھے۔ یہ کام مکرم ناظر صاحب اور انکی ٹیم کیلئے سب سے اہم ہوتا تھا۔ مکرم شاہ صاحب اپنی ٹیم کے جملہ افراد کو اس کام کے کرنے کیلئے لائبریری میں بھیج دیتے اور خود دفتر سے فارغ ہو کر لائبریری آجاتے۔ حوالہ جات وغیرہ کا جو حصہ مکمل ہوجاتا اسے خود چیک کرتے۔ آپ کے ملاحظہ کے بعد وہ تمام حوالہ جات خوشخط کر کے لکھے جاتے اور آپ خود بھی اس کام میں باقی ٹیم کے ساتھ شامل ہوجاتے تھے۔ آپ تمام کام مکمل ہونے پر اسے دوبارہ پڑھتے اور اگر کوئی تحریر میں غلطی وغیرہ رہ جاتی تو اسے درست کرواتے اور اسکے بعد تمام حوالہ جات حضور انور کی خدمت میں Fax کر دیئے جاتے۔ یہ کام اسی روز یا اگلے روز کی ترجمۃ القرآن کلاس کیلئے ہوتا تھا۔ کلاس شروع ہونے سے قبل بہرصورت یہ ارسال کرنا ہوتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے دو تین گھنٹے پہلے تک مواد ارسال کرنے کی اجازت دے رکھی تھی مگر آپ نے بہت ہی کم اس حد کو چھوا اکثر پانچ چھ گھنٹے قبل ہی مطلوبہ مواد ارسال کر دیا جاتا۔ شاہ صاحب کا یہ موقف تھا کہ

2004ء: جامعہ احمدیہ میں شعبہ قبرِ مسیح کی نمائش ملاحظہ کرتے ہوئے

13/مارچ 2003ء: جامعہ احمدیہ میں قرآن کریم کی نمائش ملاحظہ کرتے ہوئے

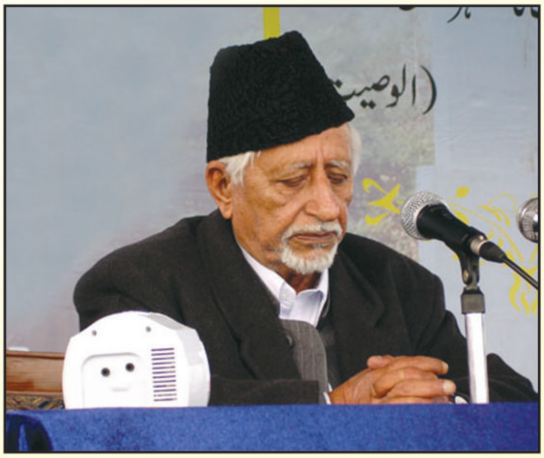

مدرسہ احمدیہ قادیان کے طلباء و اساتذہ کے ہمراہ دوسری قطار میں دوسرے نمبر پر

1950ء: یہ فوٹو اپنے دادا کو کشمیر بھجوائی

چنیوٹ ریلوے اسٹیشن پر مکرم ابراہیم صاحب کو الوداع کرتے ہوئے اپنے کلاس فیلوز کے ہمراہ

1954ء: چنیوٹ ریلوے اسٹیشن پر مکرم امر عبیدی صاحب کو الوداع کرتے ہوئے اپنے دیگر ملکی و غیر ملکی کولیگز کے ہمراہ

مارچ 1961ء: بیت المبارک ربوہ میں نکاح کے موقع پر

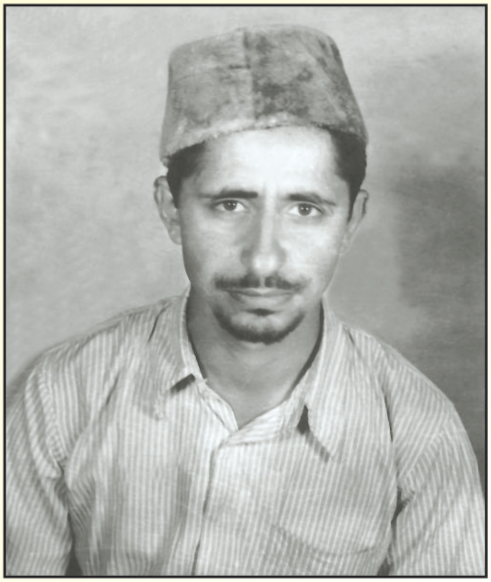

خاموش خادم سلسلہ

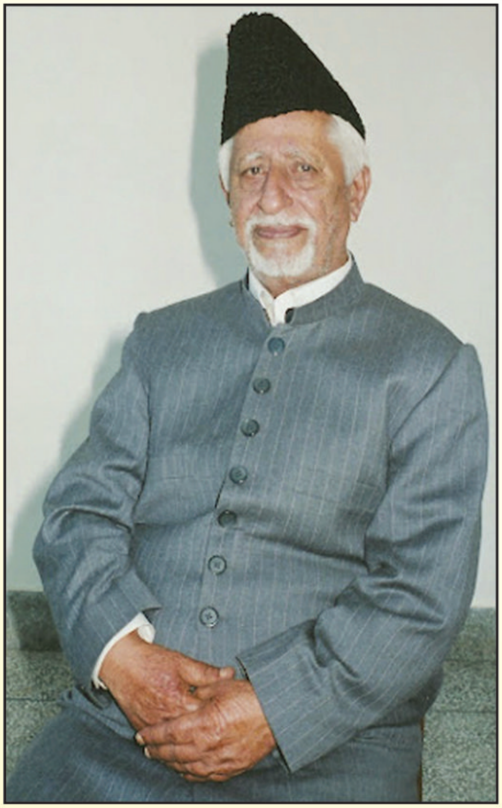

بہشتی مقبرہ قادیان میں حضرت اقدس مسیح موعود کے مزار پر اہلیہ کے ساتھ

دائیں سے بائیں: مکرم سید احمد نعمان صاحب، مکرم سید احمد رضوان صاحب، مکرم سید احمد عمران صاحب، مکرم سید احمد یحییٰ صاحب

اپنے پوتے پوتیوں کے ہمراہ

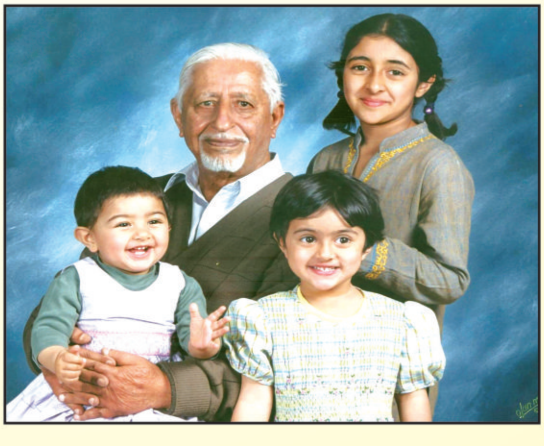

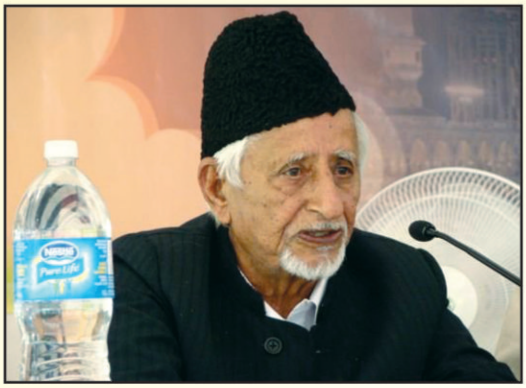

مکرم خواجہ عبدالغفار ڈار صاحب سابق مدیر اصلاح سرینگر کے ہمراہ

بہشتی مقبرہ قادیان میں حضرت مسیح موعودؑ کے مزار پر

جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر کشمیری اقرباء کے ساتھ

1989: سرینگر کشمیر میں اپنے قرباء کے ساتھ

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ صدر انصاراللہ، سٹیج پر مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کے ہمراہ (جلسہ سالانہ قادیان 2005ء)

مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب

جلسہ سالانہ قادیان 2003ء کی صدارت کرتے ہوئے

ڈائریکٹرز فضل عمر فاؤنڈیشن

جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر

بہشتی مقبرہ قادیان میں

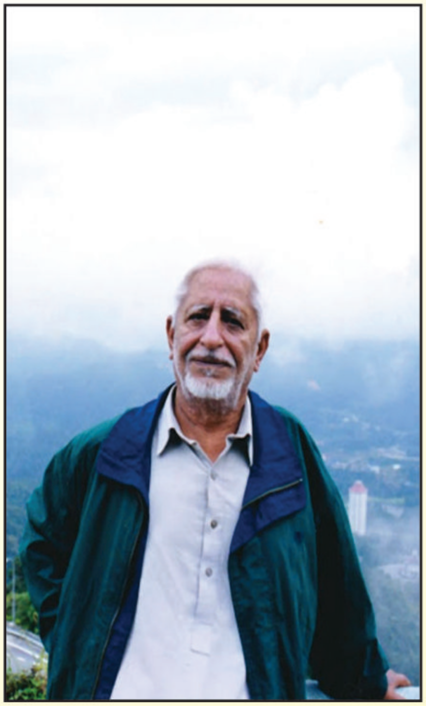

14 دسمبر 2011ء: (وفات سے چار روز قبل) مکرم کلیم احمد طاہر صاحب

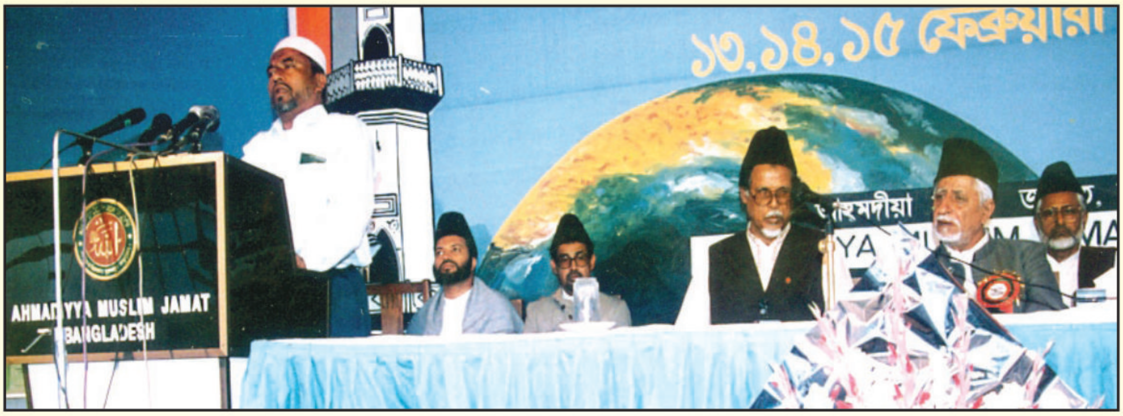

جلسہ سالانہ بنگلہ دیش کے موقعہ پر

جلسہ سالانہ کینیڈا 2009ء کے موقع پر

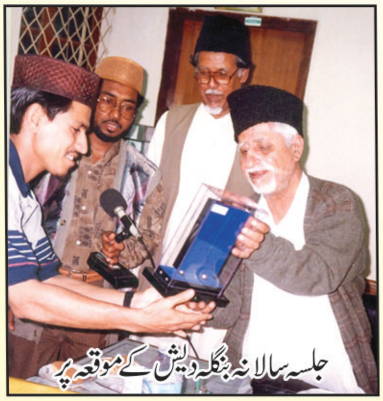

جلسہ سالانہ بنگلہ دیش کے موقعہ پر

جلسہ سالانہ کینیڈا 2009ء کے موقع پر

پانی کے ایک یا دو گھڑے ہوتے جن کے اوپر ہی پیالے ہوتے۔ پہلے پہل تو مددگار بھی نہ تھے خود ہی کام کرتے کرتے اٹھتے اور پانی پی کر پھر کام میں لگ جاتے

1- حضور کو بڑی شدت سے انتظار ہوتی ہے 2- حضور نے اس مواد کو بغور مطالعہ کر کے اس سے اپنے مطلب کا مواد لینا ہوتا ہے۔ 3- اس مرسلہ مواد پر کوئی مزید سوال ہو تو اس کیلئے ہمیں تیار رہنا چاہئے۔ کبھی کبھار ایسے ہو بھی جاتا تھا۔ چنانچہ کلاس شروع ہونے سے قبل ہی مطلوبہ مواد ارسال کر دیا جاتا اور پھر جب بروقت مطلوبہ حوالہ جات مل جاتے تو حضورؒ اس کا برملا کلاس میں بڑی خوشنودی سے اظہار فرماتے۔ حضورؒ کا یہ اظہار مکرم شاہ صاحب کیلئے انتہائی سکینت کا موجب ہوتا اور آپ اسکا اظہار اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ بار بار کرتے اور خوش ہوتے کہ ہم حضور کی امید پر پورے اتر پائے ہیں۔ آپ کی یہ خوشی امام وقت کی خوشی کے باعث ہوتی۔

روحانی خزائن جدید ایڈیشن

روحانی خزائن کے کمپوزڈ ایڈیشن کی تیاری کے سلسلہ میں مکرم شاہ صاحب نے جس تندہی سے کام کیا اس کا تفصیلی ذکر حضور انور نے جن الفاظ میں فرمایا ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور کلام کرنے سکت نہیں رکھتا۔ موصوف نے خود اسکی پروف ریڈنگ کا کام شروع کیا تھا۔ عمر ستر سے تجاوز پاؤں ہمیشہ متورم اور دیگر عوارض بھی ساتھ مگر یہ مرد میدان بیٹھے ہیں تو کام کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ خاکسار براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد اول کا آپ کے ساتھ پروف پڑھتا تھا۔ آپ نے تین مختلف ابتدائی ایڈیشن سامنے رکھے ہوتے اور ساتھ ساتھ درستیاں کراتے، جگہ جگہ رکتے۔ فارسی کی طویل نظمیں جب آئیں تو خاکسار پڑھتے وقت کہیں کہیں اٹکتا تو کلید مصادر فارسی پڑھنے کی صلاح دی۔ چنانچہ اس کی تعمیل سے میری فارسی بہتر ہوگئی۔

بزرگان سلسلہ کا ذکر خیر

آپ روحانی خزائن کا کام کرتے ہوئے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کا ذکر خیر اکثر کیا کرتے اور کہتے اب تو ہمارے پاس وسائل ہیں، افراد ہیں، بجلی کا معقول انتظام ہے، ٹھنڈے پانی کی سہولت موجود ہے، اسی طرح سردی سے بچنے کا سامان ہیٹرز کی صورت میں ہے۔ جب مولانا شمس صاحب کام کرتے تھے تو کاتب لکھتا تو مولانا موصوف پہلے پہل تو اکیلے ہی پروف پڑھتے تھے پھر ایک دوست ساتھ ہو گیا۔ کاتب سے غلطیاں لگوا کر خود ہی چیک کرتے ساتھ ہی انڈیکس بھی بناتے تھے۔ خاکسار (یعنی سید عبدالحی صاحب) بعد میں انکی زندگی کے آخری سالوں میں انکے ساتھ کام کرنے لگا۔ روحانی خزائن کی کچھ جلدوں کے انڈیکس بنانے کی بھی مجھے توفیق ملی۔

پانی کے حوالہ سے آپ نے بتایا کہ ایک یا دو گھڑے ہوتے جن کے اوپر ہی پیالے ہوتے تھے۔ پہلے پہل تو مددگار بھی نہ تھے خود ہی کام کرتے کرتے اٹھتے اور پانی پی کر پھر کام میں لگ جاتے تھے۔ چھت پر کپڑے کا پنکھا لگا ہوتا، کبھی کبھی اسے ہلا لیتے اکثر تو اسے بھی آہستہ ہی چلاتے کہ کہیں کاغذات نہ بکھر جائیں سردیوں میں ہیٹر وغیرہ نہ ہوتے تھے۔ اگر کوئلوں کی انگیٹھی کبھی تپا بھی لی تو کام کے دوران اسکے پاس بیٹھنے کا وقت نہ ہوتا تھا۔ ان بزرگوں نے بڑی کم مائیگی کے زمانہ میں بڑی محنت کی ہے۔ اللہ انہیں جزادے

ہمیشہ ایسے ہی اپنے پیش رو بزرگوں کو دعائیں دیتے تھے۔

مکرم شاہ صاحب کی طبیعت پر حضرت مولانا قاضی محمد نذیر صاحب کے کام کرنے کے انداز اور انکی تربیت کا بڑا گہرا اثر تھا۔ آپ محترم قاضی صاحب کی اولاد در اولاد کی بھی عزت کرتے تھے۔ خاکسار نے متعدد بار مکرم شاہ صاحب کے پاس قاضی صاحب کے پوتوں کو آتے دیکھا آپ کھڑے ہوکر انکو ملتے اور بڑی شفقت سے انکے ساتھ گفتگو کرتے۔

مکرم قاضی منیر احمد صاحب نے ایک لمبے عرصہ تک مکرم شاہ صاحب کے ساتھ کام کیا ہے انکا ذکر ہمیشہ اچھے انداز میں کرتے تھے۔ جب بھی ذکر کیا انکی خوبیوں کا کیا۔ کام کے دوران اکثر ایسے ہوتا کہ کہتے کہ ایک دفعہ قاضی صاحب کے پاس ایسا ہی ایک مسئلہ آیا تو یوں فرمایا اور یوں کہا۔

شاہ صاحب کی وفات سے کوئی بیس پچیس روز قبل عریبک ڈیسک لندن کی طرف سے ایک ای میل آئی جس میں روحانی خزائن جلد چہارم میں آنے والے تفسیر کشاف کے حوالہ کے بارہ میں استفسار تھا۔ مکرم شاہ صاحب نے فرمایا کہ پرانی کشاف سے یہ حوالہ ڈھونڈو۔ چنانچہ خلافت لائبریری سے 1817ء کی کشاف سے مطلوبہ حوالہ مل گیا۔ پھر مکرم شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایڈیشن اوّل، کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن اور کشاف والا حوالہ لاؤ۔ جب سب چیزیں موجود پائیں تو کہنے لگے محترم قاضی صاحب مرحوم کا یہ طریق تھا کہ جب تک خود حوالہ کو نہ دیکھتے مطمئن نہ ہوتے، میں نے یہ طریق ان سے ہی سیکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کی یہ حوالہ کشاف کا حضور نے خلاصۃً لیا ہے۔ آپ نے میری بات سنی اور فرمایا مجھے ایڈیشن اول دو۔ خاکسار نے ایڈیشن اول کا مطلوبہ صفحہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا اب کشاف سے حوالہ پڑھو۔ تو فرمایا آپ کی بات تو درست ہے مگر ہم یہ بات حاشیہ میں دیں گے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے کتاب پر یہ حاشیہ تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ حوالہ کشاف سے ملخصاً پیش فرمایا ہے۔ پھر آپ نے کشاف کا حوالہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر جہاں جہاں سے حضور نے مضمون نہیں لیا تھا سرخ پنسل سے نشان لگائے اور اس صفحہ کو دوبارہ سیٹ کر کے ای میل ارسال کرنے کی ہدایت کی۔

کشمیر کی دلکش یادیں

آپ کو اپنی سرزمین کشمیر کے افراد، پھولوں اور پھلوں سب سے محبت تھی۔ اس بات کا مجھے اس طرح علم ہوا کہ ایک روز مجھے کسی کام کے سلسلہ میں اپنے کمرہ میں بلوایا۔ خاکسار حاضر ہوا تو کمرے سے زعفران کی خوشبو آرہی تھی۔ خاکسار نے عرض کی کہ آپ کے کمرہ سے زعفران کی خوشبو آرہی ہے۔ کہنے لگے آپ کی حِس بڑی تیز ہے۔ آج ایک دوست کشمیر سے آیا تھا وہ میرے لئے تحفۃً کچھ زعفران لے آیا تھا وہ میں نے اپنی دراز میں رکھی ہوئی ہے۔ پھر یادِ کشمیر میں کھو گئے اور کہنے لگے جب ہم چھوٹے تھے تو زعفران کی چُنائی کے دنوں میں زعفران کی ڈنڈیاں ہمارے علاقہ کی گائیں کھا لیتیں۔ ان کے دودھ سے بھی زعفران کی خوشبو آتی اور جو مکھن اور گھی تیار ہوتا اس سے بھی زعفران کی خوشبو آتی تھی۔ گائے کا گھی عام طور پر بھی زرد رنگ کا ہوتا ہے مگر ان دنوں اس کا رنگ خوب زرد ہو جاتا تھا۔

ایک روز گلاب کی کیاری کے پاس سے گزرے جو صدر انجمن کے احاطہ میں بیت الاظہار کے پاس ہے، پھول کھلے ہوئے تھے مگر خوشبو نہیں تھی۔ کہنے لگے ہمارے کشمیر میں ایک گلاب اس طرح کا ہے کہ اس کی خوشبو جب وہ نیا نیا کھلتا ہے تو میل میل تک محسوس کی جاسکتی ہے۔ پھر خود ہی ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ میں دوران سفر ایک راہ گزر پر جا رہا تھا تو مجھے اس گلاب کی خوشبو آئی میں اس خوشبو کی طرف چل پڑا

زعفران کی چُنائی کے دنوں میں زعفران کی ڈنڈیاں ہمارے علاقہ کی گائیں کھالیتیں۔ان کے دودھ سے بھی زعفران کی خوشبو آتی اور جو مکھن اور گھی تیار ہوتا اس سے بھی زعفران کی خوشبو آتی

دو تین فرلانگ کے فاصلہ پر ایک گلاب کا پودا تھا جس پر صرف ایک تازہ پھول کھلا ہوا تھا جس نے ماحول کو معطر کیا ہوا تھا۔

ایک روز ایک کارکن سے گھر کیلئے سیب منگوائے جو میز پر ہی تھے۔انکی بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔خاکسار کسی کام کے سلسلہ میں حاضر ہوا۔کام مکمل ہونے پر مجھے کہنے لگے ہمارے کشمیر میں ایک ایسی قسم سیب کی تھی جو کھانے کے بعد کئی گھنٹوں تک منہ سے خوشبو آتی رہتی تھی۔اب تو وہاں کے لوگوں نے بھی سیب کی جدید اقسام کے پودے لگا دیئے ہیں زیادہ فصل لینے کے چکر میں اور ایک لحاظ سے کشمیر کی اصلیت ختم کر رہے ہیں۔پھر بتایا کہ ایک دفعہ میں ہالینڈ گیا ہوا تھا وہاں میرے ایک دوست نے مجھے کہا کہ میں تمہیں کشمیر کا وہ اعلیٰ قسم کا سیب کھلاؤں؟ میں نے سوچا یہ یہاں کہاں سے وہ سیب لائے گا مگر ان کے کسی عزیز نے خصوصی طور پر چند روز قبل کشمیر سے اسے وہ لادیئے تھے۔ وہاں مجھے وہ سیب کھانے کا بڑا لطف آیا۔

بیت الذکر آسنور کیلئے مالی معاونت

آپ کو احمدیہ بیت الذکر آسنور کی تعمیر کے سلسلہ میں آسنور کے کسی دوست نے تحریک کی۔آپ نے نہ صرف خود اپنی استطاعت کے مطابق اس کیلئے چندہ جمع کر کے بھجوانے کا انتظام کیا بلکہ اپنے کئی اقرباء سے اور کشمیر سے بے وطن ہونے والے دوستوں سے چندہ جمع کر کے بیت الذکر کیلئے بھجوانے کا انتظام کیا۔

کشمیری کھمبیاں

شاہ صاحب نے حضرت اماں جان کے حوالہ سے بتایا کہ آپ کو کھمبیوں کی ترکاری بڑی پسند تھی۔ خصوصاً کشمیر کی کھمبیاں جو بڑی بڑی ہوتی تھیں۔ آپ خصوصی طور پر چنوا کر پکواتی تھیں۔حضرت مصلح موعود کے کشمیر کے سفروں میں دو مرتبہ حضرت اماں جان کشمیر گئیں۔ان دنوں میں آپ کا قیام مکرم شاہ صاحب کے قریبی عزیزوں کے پاس رہا۔ آپ کے اقرباء آپ کی بڑی عزت کرتے تھے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ آپ کے کام میں حارج نہ ہوں۔

مکرم شاہ صاحب کی صحبت میں پندرہ سال کام کرنے کی توفیق ملی۔ اب میں آخری چند یادوں کی طرف آتا ہوں۔

مکرم شاہ صاحب عریبک بورڈ کے صدر تھے اور اس حوالہ سے خاکسار مکرم شاہ صاحب کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔لنڈن سے واپسی کے بعد صحت اتنی گر گئی تھی کہ پہلے تو مجھے کہتے رہے کہ ٹھہر جاؤ اجلاسات تھوڑے دنوں بعد شروع کریں گے پھر خود ہی سات آٹھ دن بعد کہنے لگے تمام دوستوں کو مل کر اجلاسات کی اطلاع کر دو اور سرّ الخلافہ کو ترجمہ کیلئے پیش کرو۔ یہ ترجمہ مکرم محمد سعید صاحب انصاری نے کیا تھا۔روٹین میں ہم نے ''التبلیغ'' کا کام شروع کرنا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ میں ''سرالخلافہ'' سے اقتباس لے کر انکا ترجمہ پیش کیا۔ خاکسار نے التبلیغ کے سلسلہ میں عرض کی تو کہنے لگے آپ نے حضور کا خطبہ نہیں سنا؟ حضور کا رجحان ''سرالخلافہ'' کی طرف ہے۔ہم بھی امام وقت کی اقتداء میں ''سرالخلافہ'' کے

ترجمہ کا کام شروع کرتے ہیں۔ خلیفۂ وقت کے رجحان کی پیروی آپ اپنا اولین فرض سمجھتے اور اسی کا آپ نے ہمیشہ ہمیں سبق دیا کہ امام کے دل کی دھڑکن کے ساتھ ہماری دھڑکن ہمیشہ ہونی چاہئے۔ مکرم شاہ صاحب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے حق میں ان کلمات کو کہ ''یہ میری ایسے اطاعت کرتا ہے جیسے نبض دل کی دھڑکن کی'' اکثر دہراتے اور فرماتے۔ اصل اطاعت تو ایسی ہی اطاعت ہے جو بے چون وچرا کی جائے۔ باقی اطاعت تو مریضوں والی ہے کیونکہ جیسے مریض کی نبض چلتی ہے ویسی انکی اطاعت ہوتی ہے۔

کارکنان سے شفقت

آپ واقفین زندگی کارکنان سے ہمیشہ یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ وقف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کام کریں۔ سختی نہیں کرتے تھے مگر انکی امیدوں پر وہ پورا اترے اسکی وہ ہر کسی سے توقع رکھتے تھے۔ عید پر اپنے درجہ چہارم کے کارکنوں کا خیال رکھتے تھے۔ عیدالاضحیٰ پر اگر قربانی کی توفیق ملی تو اپنے ہاتھ سے پرچیاں لکھ کر اپنے دفتر کے کارکنوں کو گوشت کا تحفہ بھجوا دیتے۔ عیدالفطر پر اگر آپ کے دفتر کے کارکنوں کے بچے ملتے تو انکو عیدی بھی دیتے۔ اس عاجز کے بچوں کو بھی دو تین دفعہ عیدی بھجوائی۔ بچوں کے تعلیمی نتائج کے بارہ میں بھی دریافت کرتے اور اس کیلئے دعا بھی کرتے۔ کہا کرتے تھے کہ جب جماعت کے کسی بھی کارکن کے بچے تعلیمی میدان میں اچھا نتیجہ دکھاتے ہیں تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔

احباب عریبک ڈیسک لنڈن سے اظہار محبت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام عربی کتب عریبک ڈیسک لنڈن نے بڑی محنت کرکے پڑھیں۔ ہر کتاب میں کئی مواقع پر مشورہ مانگا۔ ان احباب کی باریک بینی اور جگہ جگہ پر رک کر وضاحتی سوال کرنے کو سراہتے۔ ان سوالات کے جوابات کے سلسلہ میں ممبران عریبک بورڈ ربوہ کی میٹنگز ہوتیں اس کام کی مکرم شاہ صاحب رپورٹ جانے تک خود نگرانی کرتے اور ہر ممکن کوشش یہ ہوتی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کا کوئی ایک حرف بھی بدلنا نہ پڑے۔ عربی الفاظ کے بارہ میں اگر کبھی تحقیق کرنا پڑتی تو موجود لغات کے علاوہ علم حدیث اور تفاسیر سے مثالیں ڈھونڈنے کی طرف توجہ دلاتے اور اگر امثلہ مل جاتیں تو بڑے خوش ہوتے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی تحریر پر ہمیں کچھ حاشیہ نہیں دینا پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اسکی مثال فراہم کردی۔ اس سلسلہ میں ربوہ سے کئی واقفین جو ''الشاملۃ'' عریبک سافٹ ویئر وغیرہ کی مدد سے امثلہ ڈھونڈ نکالتے آپ ان واقفین کی بڑی تعریف کرتے اور ہمیشہ انکو دعائیں دیتے۔

تادم واپسیں سلسلہ کے کاموں میں مگن

2011ء کے آغاز میں دفتر نظارت اشاعت بیت الاظہار میں منتقل ہوا تو پرانے ریکارڈ کی کئی فائلیں شاہ صاحب نے دیں اور کہا کہ انکو باندھ کر رکھ دو وقت نکلنے پر میں انکو دیکھوں گا۔ مجھے یاد ہے کہ خاکسار نے ان بنڈلوں پر ''برائے ملاحظہ ناظر صاحب'' کی چٹ لگائی تھی۔ سوائے ایک بنڈل کے باقی تمام بنڈل آپ نے نومبر، دسمبر 2011 میں چیک کر لئے کہ بلانے والے کی طرف سے بلاوا آ گیا اور وہ اپنے مولیٰ کی طرف چل دیئے۔

مکرم شاہ صاحب 14 دسمبر 2011ء کو چار بجے کے بعد دفتر سے باہر کام کے سلسلہ میں میز کرسی لگا کر بیٹھے تھے کہ سانس کی شدید تکلیف شروع ہوگئی اور کچھ دیر بعد چیک اپ

(باقی صفحہ 74 پر)

''الفضل'' کیلئے آپ کی بےلوث خدمات

آپ کا مقصدِ حیات صرف خدمت دین تھا

مایوس کن حالات سے اپنی زرخیزئ ذہن کی بدولت نبرد آزما ہوتے دیکھا کہ آپ سورہ الحدید کا درس دے رہے ہیں

(مکرم آغا سیف اللہ صاحب، سابق پبلشر و مینیجر الفضل)

مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب سے ابتداءً غائبانہ تعارف اس وقت ہوا جب دوران تعلیم جامعہ احمدیہ مقررہ نصاب سے متعلق آپ کے مرتب کردہ نوٹس بعض رفقاء جامعہ کے ذریعہ مجھ تک پہنچے۔ جو جامع، مختصر اور امتحانی نقطۂ نظر سے بڑے مفید اور کارآمد تھے اور خاکسار نے ان سے خوب استفادہ کیا۔

بزرگ اساتذہ سے تلمذ

آپ سے بالمشافہ ملاقات حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری انچارج شعبہ تصنیف کے دفتر میں ہوئی جو کہ اس وقت نظارت اصلاح وارشاد کے زیر انتظام تھا۔ حضرت قاضی صاحب خاکسار کے استاد محترم بھی تھے۔ ان کی درویشانہ طرز زندگی علم و فضل اور حسن سلوک نے میرے دل میں آپ کیلئے احترام اور جذبۂ عقیدت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ خاکسار جب بھی ان کی ملاقات کیلئے جاتا تو اکثر اوقات مکرم شاہ صاحب کو حضرت قاضی صاحب کے سامنے بیٹھے مصروف تحریر پاتا۔ حضرت قاضی صاحب خطوط میں آمدہ سوالات کے جوابات بھی لکھواتے اور بعض مضامین بھی۔ محترم شاہ صاحب نہایت توجہ یکسوئی اور تسلسل سے لکھتے چلے جاتے کسی وقت حضرت قاضی صاحب اچانک اپنی محکم آواز میں کہتے! شاہ صاحب یا بلا تکلف عبدالحی صاحب بتائیں اس ''تحریر'' پر اعتراض ہو سکتا ہے محترم شاہ صاحب اپنی جودتِ طبع فطانتِ فکری اور صاحبِ کثیرالمطالعہ ہونے کے باوجود حضرت قاضی صاحب کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خاموش رہتے۔ پھر حضرت قاضی صاحب ممکنہ اعتراض اور اس کا جواب خود ہی بیان کر دیتے۔ حضرت قاضی صاحب کبھی کبھار علمی مباحثہ کے دوران شگفتگی کی خاطر کوئی لطیفہ بھی سنا دیتے جس میں تفنن طبع کے علاوہ کوئی علمی نقطہ بھی ہوتا۔

گاہے گاہے باز خواں قصۂ پارینہ را

بزرگوں کے اقوال اور بیان کردہ مثالیں بعض دفعہ ایسا سرمایہ حیات بن جاتی ہیں کہ ان کے دوہرانے سے شیریں اوقات رفتہ یاد آجاتے ہیں۔

مکرم شاہ صاحب کا طرز عمل ان کی اَن تھک محنت، مستقل مزاجی اور احترام بزرگان کا عکاس تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی دوران کام ان سے اکتاہٹ یا بے چینی کا اظہار نہیں دیکھا۔ عمر کے آخری حصہ میں جب آپ جسمانی لحاظ سے بڑے کمزور پڑ گئے تھے۔ اس وقت بھی اپنے روزمرہ کے ذاتی معمولات میں دوسروں کا سہارا لینے سے کافی گریز کرتے تھے۔ بڑے ہی جفاکش اور علو ہمت انسان تھے۔ دوسروں کی آسائش ملحوظ خاطر رکھتے۔ خود تکلیف اٹھا لیتے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانہ پاک طینت را

دربارِ خلافت سے نوازشات

آپ کا مقصودِ حیات صرف خدمت دین تھا۔ ذرا غور کریں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس صالح عبد کی انکساری طبع، محنت جلیلہ اور دینی مساعی جمیلہ کو کس قدر قبولیت بخشی۔ محترم شاہ صاحب کو ہمیشہ خلافت احمدیہ کا بھرپور اعتماد حاصل رہا اور مختلف ادوار میں وہ خلفاء سلسلہ عالیہ احمدیہ کی نوازشات سے متمتع ہوتے رہے۔ آپ کو ناظر اشاعت و تصنیف منتخب کر لیا گیا۔ نیز کئی دیگر مختلف ذمہ داریاں اور منصب عطا کئے گئے متعدد اہم مجالس اور پروقار عظیم تقریبات میں آپ کو امام وقت کے ارشاد کے تحت صدارت کے مواقع بھی میسر آئے۔ قصہ کوتاہ آپ کو سلسلہ کی گوناگوں خدمات کی ایسی توفیق ملی کہ دوسروں کے لئے موجب رشک بنے۔ ایسے لوگ کب مرتے ہیں کہ جن کی زندگی۔

از برائے تو میرم از برائے تو زیم

کا مصداق ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور یہی فریاد کناں ہوتے ہیں کہ میرا مرنا اور جینا سب کچھ تیرے لئے ہے۔

الفضل کے انتظام و انصرام میں فعال کردار

مکرم شاہ صاحب بورڈ الفضل کے صدر تھے۔ جولائی 1984ء سے 12 / اکتوبر 2006ء تک مجھے آپ کے ماتحت بطور مینیجر و پبلشر کام کرنے کا موقع ملا۔ ''بورڈ الفضل'' کے ماہانہ اجلاس میں شرکت تو ایک لازمی معمول تھا۔ بقیہ ایام میں بھی اہم امور یا بعض پیش آمدہ مشکلات میں شاہ صاحب محترم کے تعاون اور راہنمائی کی ضرورت رہتی تھی۔ اس لئے آپ سے ملنا رہتا تھا جس کی بناء پر آپ سے قریبی تعلق ممکن ہو گیا۔

اسی حوالہ سے آنمکرم کے روزنامہ الفضل میں انتظام و انصرام میں فعال کردار اور ذاتی مشاہدہ کی بناء پر آپ کی سیرت کے بعض پہلو اختصار کے ساتھ مقصود تحریر ہیں۔ شاہ صاحب جیسی ہستیاں زندہ جاوید ہوتی ہیں اور وہ اس شعر کی مصداق ہوتی ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است جریدہ عالم دوام ما

چونکہ میری ڈیوٹی بطور مینیجر تھی لہٰذا خاکسار ادارہ الفضل کے مالی اور انتظامی امور میں آپ کی راہنمائی و نگرانی اور دیگر ہدایات پر مشتمل واقعات کے ذکر پر ہی اکتفا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی فراوانی فکر اور غیر معمولی ذہانت عطا کی تھی کہ مایوس کن حالات میں بھی اپنی زرخیزی ذہن کی بدولت مشکل ترین حالات سے نبرد آزما ہونے اور اپنے فرائض کی تعمیل و تکمیل کی غرض سے کوئی تدبیر اور راہ نکالنے میں ضرور کامیاب رہتے۔ 1984ء کے اواخر میں ''الفضل'' کی اشاعت پر حکومت نے پابندی عائد کر دی۔ اشتہارات اور کاغذ کا کوٹہ پہلے ہی بند کر چکے تھے۔ مقدمات بھی بنائے گئے۔ ادارہ کے مالی حالات بھی اچھے نہ تھے۔ ''رواں سرمایہ'' جو تھوڑا بہت تھا وہ تو وقت کے متقاضی بعض اقدامات پر دو مہینوں میں ہی ختم ہو گیا۔ اس گھمبیر صورت حال پر دفتر الفضل کو فعال صورت میں قائم رکھنے کے مقصد سے بمشاورت ممبران کرام بورڈ الفضل و بمنظوری حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جو ہدایات مکرم شاہ صاحب کی طرف سے دی گئیں وہ مؤثر، کامیاب اور ثمر آور ثابت ہوئیں۔ اگرچہ عارضی طور پر بعض افراد کیلئے قدرے باعث تکلیف تھیں اور ان پر عمل کرتے وقت حتمی یقین نہ تھا کہ یہ بار آور ہوں گی۔ اہم امور درج ذیل تھے۔

الف۔ دفتر الفضل کے عارضی عملہ کو اس وعدہ کے ساتھ فارغ کر دیا گیا کہ بصورت اجراء الفضل دوبارہ کام پر بُلا لیا جائے گا۔

ب۔ مستقل عملہ کو اس تلقین کے ساتھ برقرار رکھا گیا کہ ان مخدوش حالات میں سب مل جل کر دفتر میں مطلوبہ فرائض سر انجام دیں گے۔

ج۔ الفضل کے خلاء کو کسی حد تک پُر کرنے کیلئے مختلف رسالہ جات (انصاراللہ، خالد، مصباح اور تشحیذ کے ضمیمہ جات شائع کئے جائیں۔ یعنی ہر ہفتہ ایک ضمیمہ چار ہزار کی تعداد میں شائع ہوتا جس کی قیمت ابتدائی 85 پیسے تھی۔ دفتر الفضل کی جانب سے جملہ خریداران الفضل کو یہ ضمیمہ جات (ہفت روزہ) باقاعدگی سے بذریعہ ڈاک و دیگر ذرائع بھجوا دیئے جاتے تھے۔

غرض رکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

الفضل کا دوبارہ اجراء

جب روزنامہ الفضل پر عائدکردہ پابندی کے خلاف ہماری دائرکردہ پٹیشن پر چار سال بعد جناب جسٹس خلیل رمدے صاحب (ہائی کورٹ) نے اس پابندی کو کالعدم قرار دے دیا تو الفضل کی اشاعت شروع کرنے کے طریق کار پر وکلاء کرام کے درمیان اختلاف رائے تھا۔

مکرم شاہ صاحب کی حکیمانہ اور حوصلہ افزاء روح Encouraging Spirit پھر کام آئی اور انہوں نے ہدایت دی کہ کل صبح پرچہ شائع ہو کر تقسیم ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ طویل بندش کے بعد احباب جماعت کے گھروں پر جب علی الصبح پرچہ ملا تو ان کیلئے یہ ایک بڑی مسرت تھی۔

شعبہ کتابت کے متبادل شعبہ کمپوزنگ

کافی دیر یہ امر بورڈ الفضل میں زیرغور رہا کہ الفضل کی طباعت میں سہولت اور بہتری کی خاطر کتابت کی بجائے کمپوزنگ اختیار کی جائے بالآخر فیصلہ کرلیا گیا اس زمانہ میں کمپوزنگ کے اہل کارکنان کی کمی تھی۔ مکرم شاہ صاحب کی منظوری سے دفتر میں موجود تین کارکنان کو کمپوزنگ کی تربیت دلوائی گئی اور پھر کمپوزنگ کا آغاز ہوگیا اور روکاوٹوں کے دور ہو جانے پر الفضل کیلئے ایک نیا دور شروع ہوگیا اور اخبار نئی دیدہ زیب شکل میں چھپنے لگا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ شعبہ کمپوزنگ تدریجاً کافی مراحل طے کر چکا ہے۔

الفضل کی ترقی میں قابل ستائش کامیابی

جو احباب ادارہ سے وابستہ رہے ہیں یا روزنامہ الفضل کی تاریخ سے آگاہ ہیں وہ 1984ء اور 2006ء میں ادارہ کے مالی تقابل اور الفضل کے دفتری نظام میں آسائشوں، سہولتوں اور کارکنوں کو دی جانے والی مراعات پر نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کا ادراک بہتر رنگ میں کر سکتے ہیں کہ اپنے ذمہ دیگر فرائض کی تکمیل میں مرحوم کو جو شاندار خدمات کی توفیق ملی۔ الفضل کی تعمیر و ترقی میں بھی ان کو قابل ستائش کامیابی حاصل ہوئی۔ بلاشبہ شاہ صاحب کو ہر دور میں خلافت کی اشیرباد اور راہنمائی حاصل رہی اور آپ خود بھی ہر اہم مرحلے یا تبدیلی حالات پر خلیفۂ وقت سے ہی طالب ہدایت اور سائل دعا ہوتے اور پھر پورے خلوص، ایقان ایمانی اور بشاشت قلبی سے ارشادات کی تعمیل خود بھی کرتے اور اپنے ماتحت افراد سے بھی کرواتے۔ بورڈ الفضل کے صدر کی حیثیت میں آپ نے جو اقدام کئے وہ کامیاب ہوئے۔

معیاری اور متنوع مضامین میں ترقی کا دور

آپ کے دور صدارت ''بورڈ الفضل'' میں اخبار نے علمی معیار، متنوع مضامین اور مستند حوالہ جات کے لحاظ سے بہت ترقی کی۔ مختلف قانونی قدغنوں اور تحریری مواد پر پابندیوں کے باوجود مکرم مدیر صاحب اور ان کے عملہ نے محنت شاقہ اور

بالغ نظری سے اخبار الفضل کو حکومت کی انضباطی چیرہ دستیوں سے بچانے کی مکمل کوشش جاری رکھی۔ تحقیق کے ساتھ احتیاط کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ خطبات، تقاریر، ارشادات، تربیتی و تعلیمی تحریکات، نیز دیگر جماعتی شعبہ جات میں ترقیات، ان کے اعلانات بڑی کامیابی سے احباب جماعت تک پہنچائے۔ قرآن کریم احادیث اور ملفوظات کی اشاعت میں بھی کبھی رخنہ نہیں آنے دیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

ادارہ الفضل مالی اور انتظامی لحاظ سے مستحکم اور منظم ہوتا چلا گیا اور خاصی حد تک اپنے مالی امور میں خود کفیل ہے اور اس میں شاہ صاحب کی شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ انہیں خوشکن طریق پر اپنی ہدایات پر تعمیل کرانے کا پورا ملکہ حاصل تھا اور اپنے ماتحتوں پر اعتماد اور ان کی اچھی کارکردگی پر نوازنے کا سلیقہ بھی خوب تھا۔ بزرگانہ انداز اور شیریں الفاظ میں مؤثر نصیحت بھی فرمادیتے۔ ایک طویل عرصہ تک آپ کے ماتحت کام کرتے ہوئے کبھی طعن و تشنیع یا ناجائز سرزنش سے واسطہ نہیں پڑا۔

دفتر الفضل کے کلرک صاحبان اور درجہ چہارم کے کارکنان بھی اپنی معروضات یا بعض شکایات لے کر بلا جھجک مکرم شاہ صاحب کی خدمت میں چلے جاتے۔ آپ پورے حلم اور توجہ سے ان کی بات سنتے۔ پھر ہمدردی اور ممکنہ دادرسی بھی کرتے۔ اگر کبھی شکایت کنندہ کی بات درست نہ ہوتی یا مطلوبہ سہولت خلاف قواعد ہوتی تو بھی لہجہ میں تلخی اور الفاظ میں سختی نہ آتی بلکہ دھیمے انداز میں مناسب نصیحت فرمادیتے۔

ان کی زیر صدارت بورڈ الفضل ایک طویل عرصہ مجھے جو خدمت کا موقع میسر آیا تو اس میں آپ کی نرم خوئی، مزاج شناسی، معاملہ فہمی اور تحمل کو بڑا دخل ہے۔

صائب الرائے اور محنتی بزرگ

اپنے مشاہدہ اور تجربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مکمل وثوق سے لکھتا ہوں کہ شاہ صاحب ایک مدبر، مفکر صائب الرائے نہایت دیانت دار اور ذمہ دار مشفق افسر، بڑے صاحب علم محنتی بزرگ تھے۔ جن کی فطرت میں غریب پروری بھی تھی اور فیاضی بھی تھی، مہمان نوازی بھی۔ ’’گرتوں کو تھام لے ساقی‘‘ کی راہ پر گامزن تھے۔ صلہ رحمی ان کا شعار تھا۔ انسانیت کے خدمت گزار خدا ترس اور نافع الناس وجود تھے۔ دوسروں کو بھی انہی امور خیر کی تلقین کرتے رہتے ہر شخص جس نے آپ کے ساتھ کام کیا ہے یا آپ کی ماتحتی میں کچھ وقت گزارا ہے وہ آپ کے مومنانہ کردار۔ اخلاق حسنہ، خصائل حمیدہ اور فہم وفراست کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ آپ کے متعارفین، دوستوں اور رشتہ داروں کا بھی یہی اظہار ہے۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے رفقاء کرام کے نقش قدم پر گامزن احمدیت کا نمونہ تھے۔

یہ سعادت محض عطیہ خداوندی ہے۔ آپ کی نیکی، تقویٰ اور مقبول خدمات دینیہ پر ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مہر تصدیق ثبت فرمادی جو آپ کی سعادت اور فلاح دارین ہے۔ الفضل کے دوبارہ اجراء کے ساتھ ہی تحریری مواد پر متعدد قدغنوں کے علاوہ ایڈیٹر۔ پرنٹر اور پبلشر کے خلاف مقدمات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کی زیر صدارت جو اجلاس بورڈ الفضل منعقد ہوتے تھے۔ ان میں آپ کی طرف سے کبھی بھی غیر معمولی پریشانی، انتشار ذہنی یا تلخی الفاظ کا اظہار نہیں ہوا۔

دفتر الفضل کی جانب سے پیش کردہ رپورٹس پر تبصرہ کرتے تو وہ جامع مختصر اور بامعنی الفاظ میں ہوتا۔ کسی امر یا خرچ پر وضاحت طلب کرتے تو وہ بھی مناسب اور نرم الفاظ میں مجھے

یاد نہیں کہ کبھی ان کی مجلس سے میں بوجھل دل لے کر اٹھا تھا۔ آپکے حسن عمل اور شیریں سلوک نے میرے قلب وفکر میں ان کا ایسا نقش اور روحانی ارتباط ودیعت کیا کہ بحمداللہ تعالیٰ نہ کبھی ان کی نافرمانی سرزد ہوئی نہ ہی شاہ صاحب نے رنجیدگی یا عدم تسلی کا اظہار کیا۔ باہمی اعتماد کا یہ سلسلہ میرے بیرون ملک آنے تک برقرار رہا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب دیگر ساتھیوں کے ہمراہ کراچی اور سندھ میں بسلسلہ مقدمات پیشی پر جانا ہوتا تو شاہ صاحب تسلی دہندہ ہوتے۔ دلجوئی کرتے۔ صدقہ وعبادت کی تلقین کرتے اور وہ وعدہ دعا کے ساتھ کوئی مؤثر تدبیر بتاتے ہوئے پیار سے رخصت کرتے۔ آپ خود بھی بعض دیگر عہدیداران کی طرح مقدمات میں ملوث کئے گئے تھے۔ چنانچہ جب ہم سب لوگ چنیوٹ پیشی پر جانے کیلئے گاڑی میں بیٹھ جاتے تو شاہ صاحب محترم لبوں پر مؤمنانہ مسکراہٹ لئے آ بیٹھتے۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ ان کیلئے کوئی امتیازی سہولت نہ پیدا کی جائے۔ نہ ہی کوئی تفوّق کا اظہار ہوتا بلکہ بڑی سادگی اور درویشی کے ساتھ ہم میں گھل مل جاتے اور ہمارے ساتھ ہی رہتے خواہ فرش پر ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑتا۔

مشاورت ومعاونت

ایک زمانہ میں میرے کوارٹر کے بالمقابل آپ کی قیامگاہ تھی۔ ملاقات کے مواقع زیادہ ملتے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں (بیت) آتے جاتے۔ کبھی کبھی خوشکن لہجے اور خوبصورت انداز میں آپ سے دلفریب نصیحت، روحانی سبق یا شگفتہ گفتگو سننے کو مل جاتی۔ جب کبھی میرے دوست اور کلاس فیلو چوہدری لطیف احمد صاحب کاہلوں اس میں شامل ہو جاتے تو اس گفتگو میں مزید چاشنی آ جاتی۔ اپنائیت کی یہ یادیں دیارِ غیر میں بعض دفعہ اداس بھی کرتی ہیں لیکن ماشاء اللہ۔ میرے عزیز رشتہ دار اور دوست جب ربوہ آتے تو میری خواہش پر ان کو ضرور وقت دیتے اپنے عزیزوں سے مجھے ملواتے۔ محترم شاہ صاحب کی کرم فرمائیوں کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہیں احساس تھا کہ اس کے آبائی خاندان میں کوئی احمدی نہیں ہے چنانچہ انہوں نے میرے بچوں کے رشتے طے کرانے میں مشاورت ومعاونت کی اور ان کی شادیوں و دیگر تقریبات مسرت میں شرکت کرتے رہے۔ تدریجاً مکرم شاہ صاحب سے مودت اور احمدی اخوت کا ذاتی رشتہ ایسا استوار رہا کہ جس میں دراڑ نہیں آئی۔ آپ میرے لئے محسن بزرگ، ہمدرد اور خیرخواہ پیاری شخصیت بن گئے۔

اس ذاتی تعلق اور لگاؤ کو کبھی بھی آپ نے دفتری امور کی نگرانی، اخراجات کی چیکنگ میں آڑے نہیں آنے دیا۔ تساہل ناجائز نرمی یا صرف نظر سے کام نہیں لیا۔ باوجودیکہ حالات پر آشوب اور مخدوش تھے۔ آئے روز مقدمات کا سامنا تھا پرچے ضبط کر لئے جاتے تھے۔ لیکن مالی طور پر کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نہ کسی سے اعانت مانگی نہ ادھار لیا۔ نہ کارکنان کے واجبات کی ادائیگی اور اخبار کو جاری رکھنے کیلئے رقم کا فقدان ہوا۔ سبھی معاملات تسلی بخش رنگ میں حل ہوتے رہے۔ لوگوں کی رقوم کو ہمیشہ امانت سمجھا گیا اور حسابات کی پڑتال اور ان کے صحیح مصرف کو ہر حال میں فوقیت دی گئی۔

مکرم شاہ صاحب دفتر کی تعمیر وترقی اور کارکنان کی بہبود اور ان کی آسائش کا خیال بھی رکھتے لیکن بلا جواز خرچ اور زائد از ضرورت کی کبھی اجازت نہ دیتے اور ماہانہ آڈٹ ہوتا اس کی رپورٹ دیکھتے۔ ہدایات دیتے۔ بورڈ کے ماہانہ اجلاس میں جرح وتنقید بھی ہوتی۔ سالانہ بجٹ کی منظوری تو بعض اوقات سخت مرحلہ بن جاتی لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا

باقی صفحہ 72 پر

الفضل کے سرپرست

(مکرم عبدالسمیع خان صاحب مدیر روزنامہ الفضل)

خاکسار کو بطور ایڈیٹر الفضل 13 سال محترم شاہ صاحب کی رہنمائی میں کام کرنے کا موقع ملا۔اس سارے عرصہ میں شاہ صاحب کو نہایت محنتی، صائب الرائے اور متحمل مزاج پایا۔

کئی مضامین اور اعلانات ایسے ہوتے جن کو مشورہ کیلئے آپکی خدمت میں بھیجتا رہا۔شاہ صاحب تمام مصروفیات کے باوجود فوری طور پر ان کو ملاحظہ فرماتے اور اسی دن یا زیادہ سے زیادہ اگلے دن وہ ان کی ہدایت کے ساتھ واپس مل جاتے۔اور ان کی ہدایت نہایت عمدہ اور موقع و محل کی مناسبت سے کارآمد ہوتی تھی اور فوری طور پر یہ احساس ہوتا کہ شاہ صاحب نے اسے سرسری نہیں گہری نظر سے ملاحظہ فرمایا ہے۔

بعض دفعہ کسی مشورہ کیلئے خاکسار خود حاضر ہوتا تو دیگر مصروفیات معطل کر کے عاجز کو وقت عنایت فرماتے کیونکہ الفضل تو روزنامہ ہے اور تاخیر سے الجھنیں پیدا ہوتی ہیں دفتری اوقات کے بعد کوئی مسئلہ پیش آتا تو کئی دفعہ MTA کے دفتر یا گھر پر بھی شرف ملاقات بخشتے اور رہنمائی فرماتے۔

آپ کی تحریر صرف ظاہری خوبصورتی ہی نہیں رکھتی تھی نہایت جچے تلے الفاظ اور معانی سے پُر ہوتی تھی اور جس مضمون میں اصلاح فرماتے نگینے کی طرح اس میں جڑ دیتے تھے۔کسی مضمون میں تبدیلی یا تاخیر پر احباب یا کوئی بزرگ ناراض ہوتے تو حکمت کے ساتھ رہنمائی فرماتے اور بعض دفعہ ان کی ناراضگی دور کرنے کا کام اپنے ذمہ لے لیتے۔ الفضل سارے عرصہ میں نہایت مشکلات کا شکار رہا ہے۔ الفضل کے خلاف تمام کارروائیاں لازماً ان کے علم میں لائی جاتیں مگر کسی مرحلے میں ان کو گھبرایا ہوا نہیں دیکھا۔تحمل اور خاموشی سے دعا کے بعد حوصلہ دیتے اور دشمن کی تدبیر کا مناسب توڑ تجویز فرماتے۔یہی وجہ ہے کہ بفضل اللہ تعالیٰ الفضل کا چراغ جلتا رہا۔دفتر الفضل کی توسیع کے سلسلہ میں بھی بیحد تعاون فرمایا۔ان کے دور میں دفتر الفضل میں 4 کمروں کا اضافہ ہوا۔کئی کمروں کی مرمت اور روغن وغیرہ کا کام ہوا۔دفتر کی تقریباً نئے سرے سے تزئین و آرائش ہوئی اور ایک صاف ستھرا دفتر ترتیب پایا۔الفضل کے کاغذ کے بارہ میں ہمیشہ فکرمند رہتے اور یہ ہدایت کرتے کہ تین چار ماہ کیلئے مطلوبہ کاغذ سٹاک میں ضرور موجود رہے۔ کیونکہ حالات کے پیش نظر کسی بھی وقت کوئی روک پڑ سکتی ہے۔

خاکسار ان کے بہت سے احسانوں کا مورد ہے۔ان کی خدمت میں جب بھی کوئی درخواست کی یا اختلاف کیا اسے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔اگر مناسب نہ سمجھتے یا تو ٹھوس دلیل سے اسے اس طرح رد کر دیتے کہ طبیعت میں ملال نہ ہوتا یا اس کے متبادل کوئی بہتر صورت بتا دیتے۔

ان کی مجلس سے کبھی غمزدہ ہو کر واپس نہیں آیا۔ایک مہربان باپ اور بزرگ کی شفقت ساتھ لے کر آیا۔الفضل کا کوئی مضمون یا خاص نمبر پسند آتا تو زبانی کے علاوہ تحریری طور پر بھی اس کا اظہار کرتے اور ہمیں خوشی سے مالامال کر دیتے تھے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی ارشاد الفضل کے حوالہ سے موصول ہوتا تو بذریعہ فون فوری طور پر اس سے مطلع فرماتے اور پھر ڈاک میں بھی وہ خط بھجوا دیتے اور پھر یہ بھی رہنمائی فرماتے کہ بہترین طور پر اس کی تعمیل کیسے ہو سکتی ہے۔ الغرض ایک نہایت علم دوست، اعلیٰ ظرف کے مالک اور بے نفس وجود تھے۔ اللہ تعالیٰ ان جیسے سینکڑوں ہزاروں نابغ جماعت کو عطا فرمائے۔آمین۔

علمی خدمات

(مکرم محمد محمود طاہر صاحب، نظارت اشاعت ربوہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 23 ردسمبر 2011ء میں مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب کی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''بہت علمی آدمی تھے اور بڑی محنت کرنے والے واقف زندگی تھے''

یہ فقرہ آپکی علمی خدمات کیلئے ایک عظیم الشان خراج تحسین ہے جو دربار خلافت سے آپکو عطا ہوا۔ خاکسار کو محترم شاہ صاحب کے ساتھ دس سال تک بالواسطہ یا بلاواسطہ کام کرنے کی توفیق ملی۔ آپ نے مولوی فاضل، شاہد اور ایم اے کے امتحانات اعزازات کے ساتھ پاس کئے۔ میدان عمل میں قدم رکھا تو علمی خدمات کا سلسلہ شروع ہوا۔ 1956ء میں مسند احمد بن حنبل کی تبویب سے اس خدمت کا آغاز ہوا۔ قبل ازیں مجلّہ جامعہ احمدیہ کے مدیر بھی رہے اور پھر ماہنامہ خالد اور انصاراللہ کے مدیر کے طور پر علمی خدمت کی توفیق پائی۔ ماہنامہ انصاراللہ کا دور ادارت اپریل 1977ء تا 1979ء اور نومبر 1985ء تا جنوری 1986ء تک رہا۔ نصف صدی سے زائد عرصہ نظارت اشاعت سے وابستہ رہے۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کے ساتھ روحانی خزائن کے سیٹ کی تیاری اور انڈیکس کیلئے خدمت کی توفیق پائی اور پھر محترم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری کی نگرانی میں علمی خدمات بجالاتے رہے۔ اس دوران مختلف مسودات کی تیاری اور کتب کی اشاعت میں معاونت کی توفیق ملی۔ بطور ناظر اشاعت صدر انجمن احمدیہ آپ کی خدمات تین دہائیوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اسکے علاوہ آپ مختلف بورڈ اور کمیٹیز کے صدر اور ممبر رہتے ہوئے علمی خدمت بجالاتے رہے۔

روحانی خزائن کیلئے خدمات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا سیٹ جو روحانی خزائن کے نام سے مختلف ایڈیشنز میں شائع شدہ ہے اس کیلئے محترم شاہ صاحب کو آغاز خدمت سے لیکر اپنی عمر کے آخری ایام تک کسی نہ کسی رنگ میں علمی خدمات بجالانے کی توفیق ملتی رہی۔

روحانی خزائن کے نام سے سیٹ کی پہلی بار اشاعت ادارہ الشرکۃ (۔) کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس اشاعتی کمپنی کا قیام 1953ء میں ہوا اور اس کے چیئرمین و مینجنگ ڈائریکٹر حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب مقرر ہوئے۔ آپ کے دور میں جلد اول تا 20 کی اشاعت ہوئی۔ الشرکۃ کی طرف سے شائع ہونے والے روحانی خزائن کے سیٹ میں انڈیکس بصورت خلاصہ مضامین آغاز میں دیا گیا ہے جو حضرت مولانا شمس صاحب کا مرتب کردہ ہے۔ اس انڈیکس میں حضرت شمس صاحب کے ساتھ محترم شاہ صاحب کو معاونت کی توفیق ملی۔ اس پہلے ایڈیشن کی چار جلدوں 22,21,20 اور 23 کا اشاریہ آپ نے مرتب کیا۔

آپ جب ناظر اشاعت مقرر ہوئے تو آپ کے دور میں الشرکۃ والا ایڈیشن بعض ضروری درستیوں کے بعد Reprint ہوا۔ الشرکۃ والا روحانی خزائن سیٹ ایک عرصہ سے نایاب تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ارشاد پر اسکی اشاعت کا کام ہوا۔ یہ 1985ء میں لندن سے اور پھر

نظارت اشاعت کی طرف سے پاکستان میں شائع ہوا۔اس نئے ایڈیشن میں آیات قرآنی کے حوالے حاشیہ میں درج کئے گئے۔سابقہ ایڈیشن کی کتابت کی غلطیوں کو درست کیا گیا اور ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو ٹائپ کروایا گیا تاکہ پڑھنے والوں کو آسانی ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر روحانی خزائن کے کمپوز شدہ ایڈیشن کی تیاری کا کام آپ کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔اس ایڈیشن کیلئے تمام جلدوں کا از سرِ نو تفصیلی انڈیکس مختلف احباب نے تیار کیا جن کی نظر ثانی آپ فرماتے۔اس نئے سیٹ میں بعض اضافے بھی ہوئے ہیں اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک بصیرت افروز پیغام بھی شامل ہے۔آپکی اس خدمت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات پر خطبہ میں فرمایا ہے۔روحانی خزائن کیلئے محترم شاہ صاحب کی خدمات تا وفات جاری رہیں۔نئے ایڈیشن میں کمپوزنگ وغیرہ کی بعض اغلاط کی اصلاح کا کام آپ تادم واپسیں فرماتے رہے اور اپنی بیماری کے ایام میں بھی اس علمی خدمت میں مصروف عمل رہے۔

انڈیکس ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات طیبات، ملفوظات سیٹ کی صورت میں دس جلدوں میں حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کی نگرانی میں شائع ہوا اور محترم شاہ صاحب کی نگرانی میں یہ ملفوظات دس کی بجائے پانچ جلدوں میں شائع ہوئیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہدایات کی روشنی میں جہاں ان ملفوظات کو پانچ جلدوں میں سمو دیا گیا وہاں تمام مذکورہ آیات قرآنی کے حوالہ جات درج کئے گئے۔حسب ضرورت نئے عنوانات قائم کئے گئے اور ہر جلد کے آخر میں مضامین، آیات قرآنیہ، اسماء اور مقامات کے انڈیکس نئے سرے سے مرتب کر کے شامل کئے گئے۔ان پانچ جلدوں کے تفصیلی انڈیکس کی ترتیب کا علمی فریضہ آپ نے سرانجام دیا۔342 صفحات پر مشتمل یہ اشاریہ اہل علم کی نظر میں بہت بڑی علمی خدمت ہے۔

حقائق الفرقان کی اشاعت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نور اللہ مرقدہ کے تفسیری نکات جو مختلف اخبارات و رسائل اور کتب میں بکھرے موتیوں کی طرح پڑے تھے ان کی خلافت رابعہ میں ترتیب و تدوین ہوئی۔محترم شاہ صاحب کو مدونین کے مسودہ پر نظر ثانی اور اسکی پروف ریڈنگ کی سعادت بھی ملی۔تفسیری نکات کا یہ خزانہ حقائق الفرقان کے نام سے چار جلدوں میں آپ کی نگرانی میں شائع ہو کر احباب جماعت کے افادہ کیلئے پیش ہوا۔حقائق الفرقان کی چاروں جلدوں کا آپ کا مرتبہ انڈیکس بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

اشاریہ تفسیر کبیر

سیدنا حضرت مصلح موعود کی معرکۃ الآراء تفسیر کبیر کی پہلی جلد 1940ء میں شائع ہوئی تھی اور 1962ء تک گیارہ جلدیں شائع ہوئیں۔خلافت رابعہ میں محترم شاہ صاحب کی نگرانی میں تفسیر کبیر دس جلدوں میں شائع ہوئی۔اس ایڈیشن کی خاص بات اس کا تفصیلی انڈیکس ہے۔
محققین کیلئے ہر جلد کے آخر پر مضامین، مقامات، اسماء، حل لغات اور کتابیات کا انڈیکس دیا گیا ہے۔جس کے کل صفحات 1140 ہیں۔یقیناً انکی یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہے۔جس کا ذکر حضور انور نے اپنے خطبہ جمعہ بھی فرمایا ہے۔

ترسیل حوالہ جات کی سعادت

ناظر اشاعت بننے کے بعد آپ کے حصہ میں یہ بہت بڑی سعادت آئی کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو

مطلوبہ حوالہ جات بھجواتے۔ حضور رحمہ اللہ نے علوم ومعارف سے پُر دروس القرآن کا جو سلسلہ شروع فرمایا تھا اس کیلئے تخریج حوالہ جات کی معاونت کی سعادت ملی۔ آپ اس کام کیلئے اپنے معاونین کے ساتھ گھنٹوں بیٹھ کر تحقیقی کام کرتے اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اسی طرح خطبات وغیرہ کیلئے بھی علمی معاونت کی سعادت ملی۔ اسکے علاوہ دربار خلافت سے جو بھی علمی کام سپرد ہوتا اسکی تعمیل میں فوراً مصروف عمل ہوجاتے اور اسکے لئے تھکن اور وقت کی کوئی رعایت نہ رکھتے۔ حضور رحمہ اللہ نے آپکو ایک بار اپنے خط میں اس طرح بھی خراج تحسین پیش فرمایا:

”خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ واحد ناظر ہیں کہ جنہیں مفوّضہ کاموں کیلئے کبھی یاددہانی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔“
(مکتوب محررہ 9/جون 1993ء)

درس القرآن کے حوالہ سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی خدمات کا خطبہ جمعہ میں ذکر فرمایا ہے۔

احباب کی علمی ضروریات کی انجام دہی

محترم شاہ صاحب نے اپنے دور نظارت اشاعت میں احباب جماعت کی علمی ضرورت پوری کرنے کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفاء مسیح موعودؑ اور بزرگان سلسلہ کی کتب کی بھرپور اشاعت کی توفیق پائی۔ ان میں کئی کتب اور مجموعے پہلی بار افادۂ عام کیلئے پیش کیے گئے اور بعض مجموعوں کی ترتیب نو کے بعد اشاعت ہوئی۔ ان تمام کتب اور مجموعوں کی اشاعت کیلئے تحقیق، تفحص، ترتیب، پروف ریڈنگ اور پھر طباعت یہ تمام مراحل آپ کی نگرانی میں ہوتے۔ آپ تحقیق کا کام خود کرتے اور فائنل پروف ریڈنگ بھی کرتے تھے۔ نیز کتب کے تعارف اور پیش لفظ بھی تحریر کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی کتب کی مکمل تیاری کا کام آپکی نگرانی میں طے پاتا۔ اور پھر یہ کتب دنیا کے مختلف ممالک میں شائع ہوتیں۔ آپ کے دور میں شائع ہونے والی کتب اور مجموعہ ہائے کتب کی تعداد بیشمار ہے۔ مثلاً تذکرہ ایڈیشن 2004ء مع اضافہ جات، حواشی وانڈیکس، مجموعہ اشتہارات باردوم، القصائد الاحمدیہ، مکتوبات احمد جلد اول و دوم (تیسری جلد تیاری کے مراحل میں تھی)، خطبات نور، خطبات ناصر، خطابات ناصر، سیرۃ المہدی، تاریخ احمدیت، علاج بالمثل ہومیو پیتھی، زھق الباطل، خلیج کا بحران، صحیح بخاری ترجمہ وشرح از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب وغیرہ۔

متفرق علمی خدمات

آپ مختلف بورڈز اور کمیٹیوں کے صدر اور ممبر رہے جن کا تعلق علمی اور تحقیقی کام سے تھا۔ انکے سربراہ اور ممبر کی حیثیت سے آپ علمی کاموں کی نگرانی اور قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔ اختصار کے ساتھ چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے۔

☆ MTA انٹرنیشنل پاکستان کے پہلے چیف ایگزیکٹو آپ تھے۔ آپ دفتری اوقات کے علاوہ باقاعدگی سے شام کو دفتر MTA میں تشریف لے جاتے اور روزمرہ کاموں کا جائزہ لیتے۔

☆ صدر عربیک بورڈ پاکستان کے طور پر آپ نے علمی خدمت کی توفیق پائی۔ یہ بورڈ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب کے اردو ترجمہ کی نظر ثانی کا کام کرتا رہا۔ چنانچہ آپ کی نگرانی میں کئی کتب کے ترجمہ کی نظر ثانی اور پھر اشاعت کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ الاستفتاء، سیرۃ الابدال اور تذکرۃ الشہادتین کے عربی حصہ کا ترجمہ آپ کی زندگی میں شائع بھی ہوگیا اور بعض تراجم کی نظر ثانی آپ فائنل کر چکے تھے۔

☆ فضل عمر فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر اور نائب صدر کے طور

پر آپ نے لمبا عرصہ خدمت کی توفیق پائی۔
☆ مجلس افتاء کے ممبر رہے۔ طاہر فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر رہے اور ادارہ کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔
☆ قرآن کریم کے کشمیری زبان میں ترجمہ کی نظر ثانی کی آپکو سعادت حاصل ہوئی۔
☆ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن میں معاونت کرنے والی ٹیم کے ممبر تھے۔
☆ آپ کے کئی تحقیقی مقالات ومضامین اخبار الفضل، مجلّہ جامعہ احمدیہ، ماہنامہ انصار اللہ اور رسالہ خالد میں شائع ہوئے۔ جن میں تحقیق مرہم عیسیٰ، حضرت مسیح ناصری کے حالات زندگی، علم طب اور بعض دیگر اہم عناوین پر مضامین شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپکی ان علمی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں آپ کیلئے صدقہ جاریہ کے طور پر بنادے۔ آمین۔

بقیہ از صفحہ 67

بصورت ہجرت خاکسار بیرون ملک آ گیا تو بھی بذریعہ فون آپ سے رابطہ رہا۔ لندن آتے تو بھی ضرور ملاقات کا موقع عطا فرماتے۔

آخری ملاقات

آخری دفعہ جب لندن تشریف لائے اور یاد فرمایا تو خاکسار اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ اپنی قیامگاہ پر میزبانی بھی کی اور تفصیلاً احوال پُرسی بھی آپ کی نحیف ونزار جسمانی حالت سے طبعاً تشویش لئے واپس آیا۔ پھر دو دفعہ شاہ صاحب محترم کی جانب سے فون موصول ہوا۔ غالباً تین روز بعد جب علالت، شدید کمزوری، صحت اور لاغر حالت کے باوجود میری رہائش گاہ واقع Tooting میں پانچویں منزل پر بذریعہ لفٹ تشریف لے آئے تو میں ششدر رہ گیا، اگرچہ مسرت بھی ملی۔ غالباً آپ کو ادراک تھا کہ یہ ہماری زندگی میں آخری ملاقات ہے اپنی تکالیف کو بھول کر میرے احوال پر ہی گفتگو مرکوز رکھی میری خاطر آپ نے جو تکلیف اٹھائی وہ میرے لئے ناقابل فراموش انمول سرمایہ حیات ہے۔

دیکھنا کہ سورہ الحدید کا درس دے رہے ہیں

آپ کی وفات کے بعد رویاء میں دیکھا کہ شاہ صاحب حالت نزع میں ہیں اور ان کی بیگم صاحبہ ان کے ہمراہ ہیں۔ ہم چند لوگ سامنے غمگین حالت میں بیٹھے ہیں کہ آپ یکدم اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کی بیگم صاحبہ اعلان کرتی ہیں کہ شاہ صاحب سورۃ الحدید کا درس دیں گے۔ تعطیر الانام میں لکھا ہے کہ جس نے خواب میں سورۃ الحدید یا اس کا کچھ حصہ پڑھا یا اس پر پڑھا گیا تو اللہ کے دین میں اسے وقعت عطا ہوگی اور وہ اچھے اخلاق والا ہوگا اور کہا گیا کہ اسے نیکی اور لوگوں کی طرف سے تعریف حاصل ہوگی اور بدن کی صحت نصیب ہوگی اور کہا گیا کہ وہ مال اور بھلائی پائے گا اور اس پر تمام بھلائیوں کا دروازہ کھل جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں لکھا جائے گا۔
(تعطیر الانام فی تعبیر المنام، از شیخ عبدالغنی ابن اسماعیل نابلسیؒ مترجم، ادارہ اسلامیات کراچی، صفحہ 368)

عبد الحئی یا عبد الحی

بالعموم یہ نام عبدالحئی لکھا جاتا ہے تاہم مکرم شاہ صاحب سلسلہ کی کتب کے پیش لفظوں یا اداریہ جات میں اپنا نام ''عبدالحی'' ہی لکھتے۔ خاکسار ایک دفعہ خود ایک کتاب کا اشاریہ لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے ''عبدالحئی'' کو ''عبدالحی'' کر دیا اور فرمایا کہ حئی ہمزہ کے ساتھ درست نہیں ہے۔ لہٰذا اس شمارہ میں ''عبدالحی'' ہی لکھا گیا ہے۔
خاکسار مدیر

ایک دوست کی یاد میں

(مکرم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب)

اپنے دوست کی وفات پر خاکسار کی دلی خواہش تھی کہ ان کی یاد میں کچھ بیان کروں مگر جب بھی کچھ لکھنے کا ارادہ کرتا تھا تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنی نصف صدی کی رفاقت کو کس طور سے اور کن الفاظ میں بیان کروں ۔ کیونکہ دوستی اور رفاقت تو ایک قلبی جذبے کا نام ہے ۔ اور اس جذبے کا احساس تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کا الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ خاص طور پر جبکہ وہ دوستی اور محبت ایک طویل عرصے کے لطف و عنایات اور باہمی درگذر اور چشم پوشی کی کہانی ہو۔ ایک بات تو واضح ہے کہ نصف صدی کے طویل عرصے میں دوستی کا قائم رہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ سید عبدالحی ایک بہت باوفا انسان تھے اور کسی وقتی رنجش اور ناراضگی پر اپنی دوستی کو قربان کرنے والے نہیں تھے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان ہی دو جذبوں کے سہارے آپ نے جماعت کی خدمت کے لئے اپنے عہد وقف کا حق ادا کیا ہے۔ کسی ضرورت کا تقاضا نہیں کیا اور کوئی شکوہ اور شکایت زبان پر نہیں لائے اور جماعت کی عظیم الشان خدمت کی ہے۔ اللہ ان کی صبر و شکر سے بھرپور زندگی کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ گزشتہ نصف صدی سے زائد جماعت کے نشرواشاعت کے محکمہ سے منسلک رہے ہیں۔ آپ کی علمی شان اور خدمات کا ذکر تو کئی طور پر بیان ہو چکا ہے۔ تاہم اس تعلق میں خاکسار یہ کہنا چاہتا ہے کے دیگر خدمات کے ذکر میں آپ کی ایک خدمت بہت قابل ذکر ہے وہ ملفوظات حضرت اقدس کا تفصیلی انڈیکس ہے۔ حضرت اقدس کے فرمودات کو موضوعات کے تحت ترتیب دینے کے لئے علمی استعداد اور اس کی ضخامت کے مطابق محنت بھی درکار ہوتی ہے۔ آپ نے ان دونوں استعدادوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدمت آپ کے علمی فہم و ادراک اور حضرت اقدس کے کلام سے محبت کی گواہ رہے گی۔ یہ آپ کی خدمات کا ایک شاہکار ہے جس سے جماعت کا علم دوست طبقہ خوب واقف ہے۔

آپ کی شریک حیات کی معاونت

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہر مرد کی بڑے کاموں میں کامیابی کیلئے اس کی شریک حیات کا ممد اور معاون ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ میں آپ کی شریک حیات امۃ الودود مرحومہ کا ذکر ضرور کرونگا۔ کیونکہ سیّد عبدالحی شاہ صاحب کی شب و روز کی علمی مصروفیت اور انہماک کی وجہ سے بچوں کی تربیت اور گھر کا تمام انتظام مرحومہ کو ہی کرنا ہوتا تھا اور یہ سب ذمّہ داری انہوں نے نہایت درجہ صبر اور استقلال سے سرانجام دی۔ میں اُن کی شب و روز کی محنت کا چشم دید گواہ ہوں اس لیے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی خدمات صرف دفتری اوقات تک محدود نہیں تھیں وہ اپنے فارغ وقت میں بھی علمی کام میں مشغول رہتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ خدمت اُن کا قلبی رجحان اور پسندیدہ عمل ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بڑے کام کرنے کیلئے ایک لگن کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہ لگن خاص طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے آپ کو یقیناً لگی ہوئی تھی اور اُسی نے آپ سے یہ خدمت لی ہے۔

زندگی کے شب و روز علمی مصروفیت میں اُسی وقت گزارے جاسکتے ہیں جب کہ بیوی بچوں اور گھر کی دیگر ذمہ داریوں کو کسی اور کے سپرد کر دیا جائے آپ کی یہ سپردگی اپنی بیگم امۃ الودود

مرحومہ کی طرف تھی اور مرحومہ نے باوجود اسکے کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے ایک رئیس خاندان کی بیٹی تھیں اُن کے نانا اور پڑنانا حضرت عمر ڈار رفیق حضرت مسیح موعودؑ اپنے علاقے کے رئیس تھے اُن کے والد بھی ایک متمول انسان تھے اور اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے رہے تھے اس پس منظر کے پیش نظر مرحومہ کا ایک واقف زندگی کے ساتھ بہت صبر اور شکر سے زندگی گزارنا تمام واقفین حضرات کی بیگمات کیلئے قابل تقلید ہے۔صرف یہی نہیں کہ نہایت درجہ قلیل خرچ کے ساتھ گھر کو عزت اور وقار سے چلانا اور کبھی بھی تنگیٔ حالات کا مظاہرہ نہ کرنا بھی اُن کی خاص فطرت تھی۔ محترم شاہ صاحب کے چاروں لڑکوں کی تعلیم اور تربیت کی مکمل ذمہ داری آپ کی بیگم پر ہی تھی۔ چنانچہ آپ کی بیگم نے اُن کی ایسی تربیت کی کہ سب سلسلہ کے فدائی خادم ہیں اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ان کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کرنا یہاں تک کہ سب اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائض ہو جائیں اور اخلاقی اعتبار سے نیک اطوار ہوں اور سلسلے کی خدمت کیلئے مستعد ہوں۔اس کا سہرا امۃ الودود ہی کے سر پر ہے اور اس پر طرفہ یہ بھی ہے کہ اپنی بیوہ والدہ اور تنہا نانا کو بھی کئی سال ان کی آخر عمر تک اپنے پاس رکھا اور اپنے گھر کے دروازوں کو کشمیری ہم وطنوں کیلئے ہمیشہ کھلا رکھنا بھی ان ہی کی ہمت اور سلیقہ شعاری تھی۔ واقف زندگی ہونے کی بنا پر ان کی تنخواہ بہت قلیل ہوتی تھی اور شاہ صاحب کے کہنے کے مطابق ان دونوں کا کوئی دیگر ذریعہ آمد نہیں تھا۔ان حالات میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ انکی بیگم نے گھر اور بچوں کی طرف سے شاہ صاحب کو بالکل فارغ کر رکھا تھا۔ یہی وہ فارغ البالی ہے جس نے شاہ صاحب کو جماعتی اور علمی خدمات بجالانے میں کامیاب کیا۔اللہ تعالیٰ ان دونوں کی اس محنت اور خدمت کو قبول کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔آمین۔

بقیہ از صفحہ 62

کیلئے طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ کیلئے روانہ ہوگئے مگر خدا کے اس بندہ کو اور نہ ہمیں معلوم تھا کہ اب واپسی نہیں ہوگی۔ 16 دسمبر کو صحت کافی بہتر ہوگئی تو خاکسار 17 کی شب آٹھ بجے ملنے گیا۔ دفتری امور پر گفتگو کرتے رہے اور فرمایا ''حمامۃ البشریٰ'' کے ترجمہ کو اول فرصت میں دیکھو اور پھر مکرم سیف الرحمٰن صاحب کی کتاب ''تاریخ افکار اسلامی'' اور مجھے روز رپورٹ دینا نیز عربیک ڈیسک کی ای میل کا جواب تیار کر کے دکھالیں۔اگلے روز جواب تیار کرلیا گیا اور ایک کارکن کو چیک کرانے کیلئے بھیجا تو معلوم ہوا کہ گیارہ بجے آپکی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔خاکسار ملنے گیا ،طبیعت زیادہ خراب ہورہی تھی ، سانس میں بھی دقّت تھی۔ کہنے لگے آج تو باتیں بھی نہیں ہوسکتیں ''دعا کریں، دعا کریں ، دعا'' اور اسکے بعد الوداع کرنے کیلئے لیٹے ہوئے شخص کی طرح الوداعی ہاتھ اٹھا دیئے۔ خاکسار نے دوبارہ ہاتھ ملایا اور چہرہ دیکھتے دیکھتے پیچھے ہوگیا! وہ محبت اور پیار جو ایک اچھے استاد کی طرح مجھے اور میرے جیسے کئی طلباء کو سکھایا اس کی یاد سے، آپ کا کرب دیکھ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ واپس آکر دعا میں مصروف ہوگیا۔ نماز عشا کے بعد کسی دوست نے گھر پر اطلاع دی کہ آپ اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں! رات خواب میں دیکھا کہ **ایک انتہائی سفید گھوڑا ہے جو اپنی سفیدی کے باعث چمک رہا ہے شاہ صاحب اس پر سوار چلے جا رہے ہیں۔**

آپ اعلیٰ درجہ کے عالم، بہت حلیم، خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے محبت کرنے والے، امام وقت کی اطاعت میں فوراً قدم اٹھانے والے، ماتحتوں سے شفقت کرنے والے اور انکی قابلیتوں کو جلا دینے والے تھے اور واقف زندگی کو وقف کی روح کیساتھ کام کرتے دیکھنا چاہتے تھے اور خود بھی وہ ایسے ہی تھے۔

اطاعت نظام کی قابل تقلید مثال

جب مشاورت کے موقع پر اپنا کارڈ گھر بھول آئے

(مکرم بشارت احمد ملک صاحب، مربی سلسلہ ایلڈورٹ کینیا)

ربوہ میں رہنے کی وجہ سے بچپن سے ہی محترم شاہ صاحب کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ایک بہت ہی سادہ سے انسان کو ربوہ کی سرزمین پر بعض دفعہ سڑکوں پر اِدھر اُدھر آتے جاتے دیکھا۔ نام تو معلوم نہ تھا لیکن چہرہ شناسائی تھی۔ جب کچھ بڑا ہوا تو صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں اُسی پُر وقار ہستی کو جن کے سر پر جناح کیپ جو ایک طرف تھوڑی سی جھکی ہوئی ہوتی تھی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا نام سید عبدالحی شاہ صاحب ہے اور خلیفہ وقت نے اشاعت کی اہم ذمہ داری آپ کے سپرد کی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے دل میں آپ کا احترام اور بھی بڑھ گیا۔ آپ کی ذات ہر قسم کے دکھاوے سے مبراء تھی نہایت سادہ شخصیت کے مالک تھے۔ جامعہ احمدیہ میں حصولِ تعلیم کے دوران ایک دفعہ خاکسار کو کسی کام کے ضمن میں آپ کے دفتر جانے کا موقع ملا۔ آپ بہت شفقت سے ملے پڑھائی کے متعلق پوچھا اور خوب محنت کرنے کی تلقین کی اور دفتر کے ایک کارکن کو بُلا کر فوراً میرا کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ کی ذات میں خلیفہ وقت اور نظامِ جماعت کی اطاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کی سیرت کے اِس بنیادی پہلو کے بارے میں خاکسار ایک واقعہ عرض کرتا ہے:

غالباً 1991 کا واقعہ ہے مجلسِ مشاورت کے موقع پر خاکسار کی ڈیوٹی ایوانِ محمود کے اندرونی دروازے پر شوریٰ کے ممبران کے کارڈ چیک کرنے پر تھی۔ اور یہ ہدایت دی گئی تھی کہ خواہ کوئی ہو اجازت نامے کا کارڈ دکھائے بغیر اندر ہال میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ جب آپ تشریف لائے تو خاکسار نے کارڈ دکھانے کا مطالبہ کیا اِس پر آپ نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں اور کارڈ نہ پا کر فرمایا کہ لگتا ہے کہ میں گھر بھول گیا ہوں۔ آپ نے کسی جاننے والے کو گھر بھجوایا کہ فوراً جا کر میرا کارڈ لے آؤ اور خود دروازے کے ایک طرف کھڑے ہو کر کارڈ کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب دوسرے احباب آتے اور آپ کو وہاں کھڑا پاتے تو پوچھتے کہ کیا ہوا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ اِس پر آپ فرماتے کہ کارڈ کا انتظار کر رہا ہوں۔ اُن میں سے بعض مجھے کہتے کہ یہ ناظر اشاعت ہیں عمر رسیدہ اور کمزور ہیں انہیں اندر آنے دیں ان کا کارڈ ابھی آجائے گا اور اِس طرح پھر آپ اپنی تسلی کر لیں۔ اس پر میرے جواب دینے سے قبل آپ خود اُن صاحب کو فرماتے کہ نہیں نہیں کوئی بات نہیں آپ اندر جائیں پریشان نہ ہوں میں کارڈ کے آجانے پر ہی اندر جاؤں گا آپ انہیں قانون توڑنے پر مجبور نہ کریں۔ یہ نظام کی پابندی کروا رہے ہیں۔ اِس طرح آپ وہاں انتظار کی کوفت برداشت کرتے رہے اور کارڈ کے آجانے پر ہی اندر تشریف لے گئے۔ یہ اُن کی نظامِ جماعت کی اطاعت کا عملی نمونہ تھا میں تو جامعہ کا ادنیٰ طالبعلم تھا۔ آپ جماعت کی ایک بزرگ ہستی تھے اور پھر بعض مشہور و معروف شخصیات نے بھی آپ کی سفارش کرنی چاہی لیکن آپ نے سب کچھ ایک طرف رکھ کر نظامِ جماعت کی اطاعت کا ثبوت اپنے عملی نمونہ سے ہمیں سکھایا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی بیشمار رحمتیں نازل کرے اور اعلیٰ علیین میں داخل فرمائے۔ آمین۔

درویش صفت بھائی

(مکرم ڈاکٹر الیاس خواجہ صاحب، سرینگر کشمیر)

عام طور پر یہ جانی اور مانی ہوئی بات ہے کہ بچہ کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہے۔ تمام دنیا کے بچے اسی تربیت گاہ سے پہلی سیڑھی طے کرتے ہیں۔ مگر جن بچوں کی مائیں تعلیم یافتہ اور متقی ہوتی ہیں وہ آگے جا کر اپنے خاندان، قوم اور جماعت کا نام روشن کرتے ہیں۔

ہمارے گاؤں آسنور، کوریل میں دو بچے اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ انکی مائیں نہ صرف تعلیم یافتہ اور متقی تھیں بلکہ نظامِ خلافت سے وابستہ تھیں۔ دونوں کی مائیں اسکول ٹیچر تھیں اسلئے اسکول میں داخلے کے وقت بظاہر یہ پہلی کلاس میں داخل ہوئے مگر ذہنی طور پر یہ بچے کئی کلاسیں آگے تھے۔ یہ دو بچے ایک برادرم سید عبدالحی شاہ صاحب تھے اور میرے دوسرے کزن برادرم شمیم احمد شمیم تھے جو کہ اطفال الاحمدیہ کے زمانے میں حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ کے رسالہ ''ہمارا رسول'' کے امتحان میں پورے ہندوستان میں اول آئے تھے۔

میرے اس بھائی سید عبدالحی شاہ صاحب نے دین کا راستہ چنا۔ صالح ماں باپ نے گود میں ایسی تربیت کا راستہ دکھایا کہ نہایت سادگی اور خاموش طبیعت کے سلوک طے کرتے ہوئے روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔ آپ خاموش اور سادہ طبیعت اور اپنے کام سے کام رکھنے والے ایسے شخص تھے جن کو عام افراد جماعت نہ جانتے تھے مگر جماعت کے عمائدین اور خلفائے احمدیت کے سامنے انکا کیا مقام تھا وہ انکی وفات پر ظاہر ہوا۔ جب حضور انور نے ایک گھنٹے کے خطبہ جمعہ میں مرحوم کی خوبیوں، خدمات اور بلند مقام کا ذکر فرمایا۔

آپ بچپن سے ہی خاموش طبع، کم گو اور سادگی کا نمونہ تھے۔ بحث و مباحثہ، لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ اونچی آواز میں مَیں نے کبھی انہیں بولتے نہیں دیکھا۔ اونچی آواز میں کبھی سبق نہیں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے دماغی کمپیوٹر اتنا تیز دیا تھا کہ جو سبق دوسرے بچے اونچی آواز میں رٹ کر یاد کرتے تھے، مرحوم دیکھ کر دماغی کمپیوٹر میں فیڈ کرتے تھے۔ میں نے کبھی بھی مرحوم کو لڑائی جھگڑا کرتے نہیں دیکھا۔ آسنور، کوریل کا فاصلہ ایک فرلانگ تھا۔ یہ فاصلہ بھی اب مکانات سے پُر ہو چکا ہے۔ جمعہ، جماعتی اجتماعات آسنور میں ہی ہوتے تھے۔ بچے اور بچیوں کا اسکول بھی ایک ہی جگہ آسنور میں تھا۔ ہم دونوں کا سنِ پیدائش بھی ایک ہے۔

میرے ابا جان عبدالقادر ملک صاحب اور برادرم شاہ صاحب کے والد محترم سید عبدالمنان صاحب کے آپس میں دوستانہ تعلقات تھے۔ دونوں بزرگوں کی خواہش تھی کہ ہمارے بچے قادیان کے ماحول میں تعلیم حاصل کریں۔ برادرم شاہ صاحب قادیان مدرسہ احمدیہ میں پہنچ گئے۔ میں والدین کی بیماری کی وجہ سے انکے ساتھ نہ جاسکا اور دو سال بعد قادیان جاسکا۔ دو سال ہم نے مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ میں گزارے۔ یہاں دیکھا کہ شاہ صاحب کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے اور ہر ایک کے ساتھ شائستہ ہنسی مذاق بھی ہے۔ ان کے دوست میرے بھی دوست بن گئے۔ ان میں سے جو زندہ ہیں ان سے آج بھی دوستانہ ہے۔ خاص کر مولانا سلطان محمود انور صاحب، اللہ تعالیٰ انکی صحت اور عمر میں برکت دے۔ آمین۔

کشمیر کے دو تاریخی سفر

جون 1947ء کی تعطیلات میں ہم مدرسہ احمدیہ کے تین لڑکے، خاکسار، محترم شاہ صاحب اور محمد یوسف ڈار صاحب کشمیر کیلئے روانہ ہوئے۔ اس پہلے لمبے سفر میں مَیں نے شاہ صاحب کو بہترین سفری ساتھی پایا۔ اگست 1947ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا اور ہم تینوں لڑکے کشمیر میں پھنس گئے۔ 1947ء میں ہمارے بزرگوں خواجہ عبدالرحمٰن میر، صوبائی امیر اور مرکزی مربی مولانا عبدالواحد صاحب کے ذریعہ ہماری پاکستان آنے کی سبیل بنی۔ وادی کے شمال مغرب میں احمدیوں کے دو گاؤں بچہ برگ اور ہمرڈہ ہیں جو کہ آزاد کشمیر بارڈر کے قریب ہیں۔ گائیڈ کی مدد سے ہم آزاد کشمیر کے گاؤں اشکوٹ پہنچ گئے جو کہ دریائے کشن گنگا کے کنارے واقع ہے اور اسی دریا کا طواف کرتے ہوئے ہم پیدل کئی روز کے بعد مظفر آباد پہنچ گئے۔ اس پیدل اور طویل سفر میں مَیں نے اس درویش صفت بھائی کی خوبیوں کو پرکھا۔ مومنانہ صبر واستقامت، دوسروں کے آرام کا خیال رکھتے اور دوسروں کیلئے چادر بچھاتے تھے۔ ہماری اسّی (80) سالہ زندگی میں کبھی بھی آپس میں لڑائی جھگڑا یا ناراضگی نہیں ہوئی اور نہ کبھی شاہ صاحب مرحوم کی اور کسی سے ناراضگی ہوئی۔

1989ء میں ہم نے کشمیر جانے کا پروگرام بنایا۔ انکا ویزا آ گیا اور وہ کشمیر چلے گئے۔ مجھے اس وقت ویزا ملا جب کہ محترم شاہ صاحب واپس پاکستان آ گئے اور میرے ابا وفات پا کر قادیان بہشتی مقبرہ میں پہنچ چکے تھے۔

قیام کشمیر کے دوران میرے اس درویش بھائی شاہ صاحب نے جس طرح میرے ابا جان کی بیمار پرسی کی، تسلی تشفی دیتے رہے اور میری کمی کو پیار ومحبت کی باتوں سے پورا کیا۔ یہ میرے اس محسن اور بزرگ بھائی کا میرے اوپر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو اسکا اجر عظیم عطا کرے۔ برادرم شاہ صاحب نے واپسی پر جو خط لکھا وہ میں نے اپنی کتاب ''داستان اصغر'' میں ہمیشہ کیلئے محفوظ کیا ہے۔ میری کتاب پر آپ نے جو تبصرہ لکھا ہے وہ بھی اس کتاب کی زینت ہے۔ میرے اس مرحوم بھائی کے درجنوں دوست تھے ان سے درخواست ہے کہ مرحوم کی خوبیوں کو ضبطِ تحریر میں لائیں تا پڑھنے والے انکی خوبیوں سے واقف ہو کر ان کیلئے دعا کریں۔ خلفائے احمدیت سے انکا خاص تعلق تھا۔ ہر حکم کو فرض جان کر تعمیل کرتے تھے اور جب خلیفۂ وقت کسی کام پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے تو خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور سجدۂ شکر کرتے تھے۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے میری کتاب ''کشمیر کا عروج وزوال'' پر خوشنودی کا خط لکھا اور مبارکباد دی تو میرے اس بھائی شاہ صاحب کی خوشی دیدنی تھی۔ مجھے بار بار کہتے کہ تمہیں کتاب کی پوری قیمت مل گئی ہے۔ ایسی قیمت کسی کسی کو ملتی ہے۔ میں بھی خوش ہوں اور مبارکباد دیتا ہوں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مرحوم کی خوبیوں اور بے لوث خدمات کا ذکر فرما کر تمام جماعت کی طرف سے اظہار خوشنودی کیا ہے، باقی کیا کوئی انکی تعریف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور جماعت کو ایسے بے لوث خادم ہمیشہ عطا کرتا رہے۔ آمین۔

اپریل 1966ء کے مجلّہ جامعہ احمدیہ ربوہ میں محترم شاہ صاحب کا تفسیر بیضاوی سورۃ آل عمران کے ایک حصہ کا 24 صفحات پر مشتمل اردو ترجمہ شائع ہوا۔ یہ تحقیقی مضمون آپ کی عربی زبان سے گہری دلچسپی کا مظہر ہے۔

عجز و انکسار کے پیکر

(مکرم خواجہ منظور صادق صاحب راولپنڈی)

محترم سید عبدالحی شاہ صاحب ہمارے سلسلہ کے انہی بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں ایک نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے تین خلفائے احمدیت کی ہمیشہ خوشنودی حاصل رہی ان کے منظورِ نظر رہے اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک شاندار خدمات دینیہ بجالانے کے بعد جب اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تو خلیفہ وقت سے بھرپور اظہار خوشنودی حاصل کر کے ہمیشہ کیلئے امر ہو گئے۔

خاکسار مرحوم کی بعض خوبیوں اور اعلیٰ صفات کا ذکر کرتا ہے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد مرکز احمدیت میں جا کر پڑھنے کا شوق اور جذبہ مجھے 1959ء کے اوائل میں ربوہ لے گیا اور میں ٹی آئی ہائی سکول میں نویں جماعت میں داخل ہو گیا۔ اس وقت ربوہ آج کے ربوہ سے بہت مختلف تھا۔ بہت کم آبادی تھی۔ گھر سے جدائی کے بعد کئی ماہ بلکہ سال بھر تو مجھے نہ دن کو چین نصیب ہوا نہ رات کو آرام۔ ہر وقت مغموم۔ اس ''غریب الوطنی'' کے دور میں اگر اوّل اوّل میری کسی سے شناسائی ہوئی تو وہ ایک کشمیری ہونے کے ناطے سے محترم شاہ صاحب تھے جنہوں نے میری ڈھارس بندھائی۔

ان سے میرا تعارف میرے ایک ماموں زاد ڈاکٹر خواجہ محمد افضل صاحب کے ذریعہ ہوا جن سے محترم شاہ صاحب کے دوستانہ روابط تھے چنانچہ میں اکثر و بیشتر محترم شاہ صاحب کے پاس آتا جاتا رہتا اور اپنا غم غلط کرتا۔ وہ مجھے بہت تسلیاں دیتے اور بتاتے کہ دیکھو میں بھی تو اکیلا اور تن تنہا کشمیر سے ہجرت کر کے یہاں آیا ہوں۔ میرے ماں باپ یا کوئی عزیز رشتہ دار یہاں نہیں اس لئے گھبراؤ نہیں جب چاہو میرے پاس آ جایا کرو۔ الغرض محترم شاہ صاحب سے میرا تعلق اس وقت قائم ہوا جو ان کی زندگی کے آخری ایام تک رہا اور میری ان سے آخری ملاقات ان کی وفات سے ہفتہ عشرہ قبل ہی ربوہ میں ان کے دفتر میں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پاؤں متورم تھے۔ کرسی کے پاس ان کا ''عصا'' تھا اور چہرے سے کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ باتیں وہ ہمیشہ آہستہ ہی کرتے تھے مگر اب تو کان لگا کر اور اتنے نزدیک ہو کر ان کی بات سننا پڑتی تھی۔ بیماری، کمزوری اور کچھ ہی عرصہ قبل اپنی رفیقہ حیات کی وفات کے شدید صدمہ نے ان کو اندر سے نڈھال کر دیا تھا مگر یہ ''مردِ مجاہد'' اس حال میں بھی اپنے جماعتی فرائض اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہا تھا۔

محترم شاہ صاحب خاکسار کے کالج فیلو بھی تھے اور مجھ سے دو سال آگے تھے۔ چنانچہ ٹی آئی کالج ربوہ میں جس سال انہوں نے ایم اے عربی کیا خاکسار نے بی اے کیا اور کالج کے سالانہ کانووکیشن منعقدہ مارچ 1966ء میں (جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مہمان خصوصی تھے) ہم نے اکٹھے حضور کے دست مبارک سے ڈگریاں حاصل کیں۔ اس مبارک تقریب کی ایک یادگار تصویر اب بھی میرے گھر کی زینت ہے۔

شاہ صاحب کا تعلق کشمیر سے تھا اور اس حوالہ سے انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے کشمیری ترجمہ قرآن کی نظر ثانی اور اشاعت کی ذمہ داری سونپی جس کا آپ نے پورا حق ادا کیا اور حضور کی خوشنودی حاصل کی۔ آپ نے کشمیری ترجمہ قرآن کا ایک نسخہ خاکسار کو بھی بطور ہدیہ دیا۔

کئی سال قبل جب آپ نے یہ نسخہ مجھے دیا اور ساتھ ہی لکھا کہ ''اگر ترجمہ قرآن کریم میں کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں بھی مطلع کریں''۔ چنانچہ خاکسار نے ترجمہ میں پائی جانے والی بعض اغلاط کی نشاندہی کی تو آپ نے پوری بشاشت اور خوشدلی سے نہ صرف ان غلطیوں کو تسلیم کیا بلکہ میرا حوصلہ بڑھایا اور مجھے اس پر شاباش دی جو آپ کی عظمت کردار، انکساری، کسرِنفسی اور خاکساری کی عکاسی کرتی ہے۔ آپ نے خاکسار کے نام اپنے جوابی خط محررہ 06-11-6 میں تحریر فرمایا۔

''آپ نے کشمیری ترجمہ قرآن پاک کو جس توجہ سے پڑھا ہے میرے علم کے مطابق آپ اس میں منفرد ہیں آپ نے جن مقامات کے ترجمہ کی نشاندہی کی ہے ان کے سلسلہ میں عرض ہے کہ میں 1949ء سے کشمیر سے آگیا تھا اور اس سے پہلے 1941ء تا 1947ء بھی قادیان میں گزرے تھے اس لئے مجھے صرف بول چال کی سماعی زبان ہی آتی تھی جب غلام نبی صاحب ناظر نے قرآن کریم کا کشمیری ترجمہ کیا اور ان کے ترجمہ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مجھے بھجوایا اور میری ذمہ داری قرار دی کہ اس کا کوئی مقام غلط نہ ہو۔...... مجھے اپنی ذمہ داری نبھانے کیلئے گویا از سرِنو کشمیری زبان کو مستحضر کرنا پڑا''۔

محترم شاہ صاحب انتہائی تعلیم یافتہ' عالم و فاضل اور عظیم محقق اور سکالر ہونے کے باوجود انتہائی عاجز و منکسر المزاج شخص تھے۔ انہوں نے اپنے علم کو کبھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور ایک ثمر بار شاخ کی طرح ہمیشہ عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کیا۔

خاکسار کو 2004ء میں راولپنڈی کی تاریخ احمدیت اور پھر 2008ء میں خلافت جوبلی سووینیر کی تدوین و اشاعت کے سلسلہ میں کچھ خدمت کرنے کی توفیق ملی ہے۔ اس سلسلہ میں خاکسار کو متعدد بار محترم شاہ صاحب سے ہدایات و راہنمائی حاصل کرنا پڑی۔ آپ نے ہر بار میری فوراً مدد کی اور ہر مشکل آسان کر دی۔ خلافت جوبلی سووینئر کا مسودہ نظارت اشاعت کی منظوری کیلئے آپ کے پاس بھجوایا گیا تو آپ نے انتہائی مصروف ہونے کے باوجود اوّلین فرصت میں اس مسودہ کو نہ صرف یہ کہ شروع سے آخر تک پڑھا بلکہ بعض غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی جس سے یہ اندازہ ہوا کہ آپ نے مسودہ کو اول سے آخر تک لفظاً لفظاً پوری توجہ سے پڑھا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خط محررہ 7 مئی 2008ء میں لکھا:

''خلافت جوبلی 2008ء کے موقع پر جماعت احمدیہ راولپنڈی جو سووینیر شائع کر رہی ہے میں نے اسے پڑھا ہے سوائے دو مقامات کے باقی مضامین قابل اشاعت ہیں۔

اور یہ صلاح دی کہ:

''مناسب ہوتا کہ کوئی ایسے مضامین بھی آتے جن میں خلفائے احمدیت کے راولپنڈی میں ورود اور قیام کی کچھ یادیں شامل ہوتیں''۔

آپ کے اس خط سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس توجہ و انہماک سے مفوضہ کاموں کو سرانجام دیتے تھے۔ آپ کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ آپ ہر خط کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھتے۔ آپ کی تحریر بھی بہت خوبصورت تھی اور یہ خوش نویسی پڑھنے والے کی توجہ از خود کھینچ لیتی تھی۔ آپ کی کس کس خوبی اور اخلاق حسنہ کا ذکر کیا جائے؟ سچ تو یہ ہے کہ قدرت نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک دلنواز شخصیت

(مکرم منیر احمد بسمل صاحب ایڈیشنل ناظر اشاعت)

محترم سید عبدالحی شاہ صاحب سے چہرہ شناسی اس وقت ہوئی جب خاکسار 1964ء میں جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ زمانہ طالب علمی میں صحبتِ صالحین اور بزرگانِ سلسلہ سے اکتساب فیض کی تمنا اور خواہش بیدار رہتی اور یہ طلب بزرگ شخصیات کی خدمت میں حاضری پر مستعد رکھتی۔ اسی سلسلہ میں محترم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق و سعادت میسر رہی ہے۔ محترم شاہ صاحب ان کے رفیق کار تھے یوں آپ سے بھی سلام ہو جاتا گو کہ کوئی تفصیلی تعارف اور لمبی گفتگو یا مجلس کا موقعہ تو میسر نہ ہوا لیکن ایک خاموش انس اور تعلق خاطر قائم ہو گیا۔

جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد میدانِ عمل میں تقرری کے انتظار میں کچھ عرصہ نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ میں خدمت کی توفیق ملی تو اس دوران محترم شاہ صاحب سے اور قریب ہونے کا موقع ملا۔ یہ تعلق بھی رسمی اور واجبی سا رہا اور زیادہ تر دفتری امور کے حوالہ سے تھا۔ جب خاکسار کی تقرری 1991ء میں بطور نائب ناظر اشاعت برائے سمعی و بصری ہوئی تو خاکسار کو محترم شاہ صاحب جو اس وقت ناظر اشاعت تھے کی براہ راست ماتحتی میں کام کرنے کا موقع میسر آ گیا۔

آپ سے دفتری تعلق میں قریب ہونے کی وجہ سے ایک ذاتی تعلق بھی پیدا ہوا۔ کام کرنے کے ناطے سے تا دمِ واپسیں محترم شاہ صاحب سے واسطہ رہا۔ ان کی شخصیت دل موہ لینے والی تھی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہایت محبت اور شفقت کا سلوک رکھتے۔ آپ دلداری، مروّت اور مہربانی کا پیکر تھے۔ سختی، زبردستی اور تحکم کا ان کی طبیعت میں گزر ہی نہ تھا۔

آپ تکلفات سے آزاد سادہ اور درویشانہ طبیعت کے مالک تھے۔ کیسے بھی مشکل حالات ہوں آپ ہمیشہ صبر و استقلال سے کام لیتے۔ بڑی ہمدردی اور شفقت کرنے والے، سخت محنت اور جانفشانی سے کام کرنے والے تھے۔ جو کام سپرد ہوتا پوری لگن، تندہی اور شوق کے ساتھ سرانجام دیتے۔ قدرت نے آپ کو غیر معمولی ذہانت عطا کی تھی اور ہر کام کرنے سے پہلے اس کے تمام امکانی پہلوؤں کا جائزہ لیتے اور اس کے حسن و قبح کو پرکھ لیتے۔ اس کے لئے غور و فکر اور تدبر کرتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے سوچتے، دوسروں سے مشورہ بھی کرتے۔ کام کی تکمیل کے لئے محض شوق کافی نہیں بلکہ قلبی لگاؤ ہونا چاہئے۔ محترم شاہ جب کوئی کام کرتے تو اتنے انہماک، لگن اور ذوق شوق سے کرتے کہ گویا ان کو اس کام کا چسکا ہے۔ ان کا کام کرنے کا طریقہ ایسا ہوتا کہ دوسروں میں بھی کام کرنے کا غیر معمولی ولولہ پیدا ہو جاتا اور اس کام میں شرکت میں وہ ایک گونا راحت محسوس کرتے۔

محترم شاہ صاحب لطیف حس مزاح سے بھی مالا مال تھے۔ کام کے دوران اعصاب کو آرام پہنچانے کی خاطر ہلکی پھلکی ظریفانہ گفتگو بھی فرماتے جاتے جس سے ماحول خوشگوار رہتا۔ کام کے دوران رفقائے کار کا ہر طرح خیال رکھتے۔ ساتھ دیتے اور ساتھ لے کر چلتے۔ بعض اوقات رات ایک دو بجے تک کام جاری رہتا۔ آپ برابر شریک رہتے اُن کا مزاح ملنے والوں کے دل میں ایک شگفتگی پیدا کر دیتا تھا۔ ان

کے ساتھ کام کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ان میں ہمدردی اور شفقت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کسی کی دلآزاری نہ کرتے۔ توہین چاہے کسی کی ہو اس سے سخت اذیت محسوس کرتے۔ سخت گوئی اور دلآزاری سے نفرت تھی۔ گفتگو میں آپ بیتی شاذ ہی آتی۔ مطالعہ کے تنوع نے ان کو گلزار بنا دیا تھا۔ تردید کے انداز میں تردید نہ کرتے۔ غلطی کی اصلاح غلط کہہ کر نہ کرتے۔

آپ کی طبیعت میں شرم و حیا بہت تھی۔ مجمعوں سے گھبراتے مگر بے تکلف دوستوں میں وہ ایک بلبل ہزار داستاں تھے اور اس کے بغیر وہ گل افشانی گفتار پر آمادہ نہ ہوتے۔ اُن سے ملنے اور گفتگو کرنے کے بعد یوں محسوس ہوتا کہ گھٹی ہوئی فضا سے ایک دم کھلے میدان میں آ گئے ہیں نہ خود پریشان ہوتے نہ دوسروں کو پریشان کرتے۔ وہ کبھی تھکتے نہ تھے کام کا کتنا ہی اعصاب شکن بار ہو وہ کبھی ہمت نہ ہارتے۔ مروت آپ کا ایک خاص وصف تھا۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ آپ سخت مصروف ہیں کام کا ڈھیر ہے ایسے میں لوگ آتے، باتوں میں وقت ضائع کرتے مگر آپ محض دلآزاری کے خیال سے کبھی یہ نہ کہتے کہ میں نے کام کرنا ہے پھر ملیں گے۔ درگزر کا یہ عالم تھا کہ کوئی ان سے کیسی ہی بدسلوکی کیوں نہ کرے جواب نہ دیتے۔ اپنے ہر ملنے والے کو محبت سے ملتے۔ سب سے احترام کا سلوک کرتے، اپنے چھوٹوں سے بھی اس طرح پیش آتے گویا وہ خود ان سے چھوٹے ہوں۔ اپنی کسی بات سے کم علم ہم نشین کو بھی اس بات کا احساس نہ ہونے دیتے کہ وہ خود کو کچھ سمجھتے ہیں۔

آپ نرم خو، نرم رو اور نرم دل تھے دوسروں کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہو جاتے اور جہاں تک ہو سکتا مدد سے دریغ نہ کرتے۔ نفاستِ ذوق اور لطافت احساس سے مالا مال تھے۔ طبیعت میں توازن اور ٹھہراؤ تھا۔ انسان دوست تھے۔

کھلے ذہن کے مالک تھے۔ ایسے باپ تھے جس نے بچوں کو صداقت، دیانت اور خودداری کا سبق دیا۔ عزیزوں کے ساتھ بہت الفت تھی۔ جب بھی قادیان جاتے۔ اپنے کشمیر سے آنے والے عزیزوں کے لئے سوغاتیں لے کر جاتے۔ وفات سے پہلے بارہا قادیان جانے کا بے قراری سے ذکر کیا۔ مگر بیماری کے باعث جا نہ سکے تو مکرم محمد محمود طاہر صاحب کے ذریعہ ایک بڑا بکس تحائف اور نقدی کا اپنے عزیزوں کو بھجوایا۔

حوصلہ افزائی ان کی خصوصیت تھی جس میں کوئی خوبی دیکھتے اس کیلئے سراپا شفقت ہو جاتے۔ بحث و تکرار سے پرہیز کرتے لیکن بطور تفنن کوئی علمی بات چیت چھیڑ کر لطف اندوز ہوتے۔

کب ایسے لوگ ہوتے ہیں پیدا جہاں میں
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

(بقیہ از صفحہ 88)

تھا آپ نے منظور نہ فرمایا اور اپنے ہاتھ سے تحریر کیا کہ انجمن کے قواعد میں دفتر کے لئے یہ چیز خریدنے کی اجازت نہیں۔

تاریخی نوعیت کے مسودات جن کا تعلق اضلاع کی تاریخ یا سیرت سے ہوتا ان کی منظوری دینے سے پہلے ان کا جائزہ لینے کے لئے شعبہ تاریخ احمدیت میں بھجوا دیتے۔

آپ کی خوبیوں اور خدمات پر دربار خلافت سے جو تعریفی سند آپ کو عطا ہوئی وہ بہت بڑا اعزاز ہے جس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ یہ اعزاز آپ کے لئے اور آپ کے خاندان کے لئے ہر لحاظ سے بہت مبارک کرے۔ آمین ثم آمین۔

گلدستۂ سیرت

ہمارے بزرگ مکرم شاہ صاحب کے بارہ میں اکثر احباب نے جو اپنی آراء اور تاثرات تحریر کئے ہیں ان میں ایک پہلو نمایاں ہے کہ آپ علم و حکمت کو مومن کی متاع گم گشتہ خیال کرتے تھے اور عمروں کے تفاوت کے باوجود ہر اہل علم و ذوق کی نہ صرف قدر دانی و حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ہر ایسے باذوق کے ساتھ علم و عرفان Share بھی کرتے۔ گلدستۂ سیرت میں آپ کی سیرت و اخلاق کے واقعات احباب کی تحریروں میں سے پیش ہیں۔ (ایڈیٹر)

سلسلہ کی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے

مکرم ڈاکٹر نصیر احمد صاحب برطانیہ سے تحریر کرتے ہیں:

مجھے محترم شاہ صاحب کو بہت چھوٹی عمر سے ہی نہایت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ آپ میرے والد صاحب چوہدری غلام احمد مرحوم کے نہایت قریبی اور مخلص دوست تھے اور اگر میں یہ کہوں کہ ان کا تعلق حقیقی بھائیوں جیسا تھا تو اس میں بھی کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

دوسروں کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے اور ہر کسی کے مشکل وقت میں ساتھ دینے کیلئے سب سے آگے ہوتے اور ضرورت پڑنے پر دوسروں کو بھی توجہ دلا دیتے۔ بہت سے ضرورت مندوں کی اپنی جیب سے مدد کرتے اور صاحب استطاعت لوگوں کو بھی انتہائی راز داری سے ضرورت مندوں کے بارہ میں اس طرح اشارہ فرماتے کہ لینے والے ہاتھ کو دینے والے ہاتھ کی خبر نہ ہوتی۔

ہر شخص کی ذہنی، علمی سطح اور مزاج کے مطابق بات کرتے۔ دوسروں کی بات بھی بہت دلچسپی سے سنتے اور خاص طور پر بچوں پر بھی بہت توجہ دیتے۔ دوسروں کی اچھی باتوں اور کاموں کو بھی خوب سراہتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔

جماعت اور اشاعت دین کے سلسلہ میں کبھی تساہل نہ دکھایا۔ اس کے باوجود بھی کہ زیادہ بیٹھنے سے ٹانگوں میں درد اور سوجن بڑھ جاتی تھی۔ قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کو بہت دفعہ لاہور کا سفر کرنا پڑا تھا اور سفری وسائل بھی اس وقت کم کم میسر تھے۔ ربوہ سے صبح کی ٹرین یا بس پر آنا جانا ہوتا مگر کبھی بھی کام کا حرج نہ ہونے دیا۔

توکل علی اللہ

1974ء کے بعد حکومت کی آئے روز پابندیوں کی وجہ سے روزنامہ الفضل پر بہت ہی مشکل کا وقت تھا اور شاہ صاحب پر بہت سارے مقدمات بنتے رہتے تھے۔ آپ نے ان سب کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور بہادری کے ساتھ سلسلہ کا کام جاری رکھا۔ ایک دفعہ ان کی گرفتاری کا خدشہ تھا اور موسم نہایت گرم تھا اس وجہ سے ہماری درخواست پر احتیاط کے طور پر ہمارے گھر تشریف لے آئے۔ اس دن ان کی بہادری کا اندازہ ہوا کہ چہرے پر بالکل اطمینان تھا اور کسی قسم کا کوئی خوف نہ تھا۔ بلکہ دوپہر کے وقت اس بے فکری سے آرام بھی کیا۔ اس سے ان کے توکل علی اللہ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علم و دانش کا ایک خزانہ تھے۔ اگر کسی بچے نے تقریری مقابلہ کیلئے لکھنے کی فرمائش کی تو اس کو بخوشی پورا کرتے بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتے۔ اگر کسی دوست نے آپ کے علم سے فائدہ اٹھانا چاہا تو اسے بخوشی فیض پہنچاتے۔ آپ نے

پنجاب یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا مگر سلسلہ احمدیہ کی خدمت کو ہی وجہ افتخار سمجھا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت شکر کرتے

ربوہ کی آبادی کے ابتدائی سالوں میں رہائشی سہولیات کی کمی تھی اس لئے چند ماہ شاہ صاحب کی فیملی اور میرے والد صاحب بمعہ فیملی ایک مکان میں اکٹھے رہے۔اس وجہ سے ہم سب بہن بھائی آپ کو چچا سمجھتے تھے اوران کی اہلیہ محترمہ کو خالہ۔یہ تعلق ہمارے بچپن سے شروع ہوا میرے والد صاحب کی وفات 1977ء میں ہوئی مگر چچا اور خالہ نے یہ تعلق نہ صرف قائم رکھا بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا۔میری شادی کے وقت میری اہلیہ کے والدین انگلینڈ میں مقیم تھے۔آپ نے نہایت شفقت سے اپنا گھر بمع تمام سہولیات کے ان کو پیش کیا اور نہایت پیار اور اہتمام سے میری اہلیہ کو اپنے گھر سے رخصت کیا۔اور ہمیشہ میری اہلیہ کو اپنی بیٹی ہی سمجھا۔ اسی تعلق کی وجہ سے آپ جب بھی UK تشریف لاتے تو ہمیں بھی شفقت سے محروم نہ رکھتے بلکہ سفر کی صعوبت برداشت کر کے ہمیں خدمت کا موقع دیتے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت شکر کرتے اور سیر کے دوران حسین مناظر کو رُک کر دیکھتے اور کئی مقامات کو کشمیر سے تشبیہ دیتے۔

نافع الناس وجود

مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔جب کبھی بھی کسی علمی مسئلہ پر آپ سے مشورہ مانگا تو ہمیشہ فائدہ ہوا اور ہر دفعہ آپ کو فیض رساں ہی پایا۔آپ خلافت کے فدائی تھے اور خلیفہ وقت کا مضبوط دست و بازو بن کر کام کرتے رہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دور خلافت میں درس القرآن کے نوٹس اور حوالہ جات بھجوانے میں غیر معمولی خدمت کی سعادت پائی۔حضور کو آپ پر بہت اعتماد تھا۔آپ زندگی بھر اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں اور خدمات دینیہ اور علم وعمل کے میدان میں ذخیرہ جمع کرتے رہتے اور خوشگوار یادیں چھوڑ کر رخصت ہوئے۔کئی بار جلسہ سالانہ لندن پر اپنے بڑے صاحبزادے مکرم احمد یحییٰ صاحب کے ساتھ نظر آتے اور بعض اوقات ملاقات بھی ہوتی۔ چند بار اجلاس کی صدارت بھی کی۔ بڑے خلوص سے ملتے اور دعاؤں کی یاد دہانی کروانے پر دعاؤں میں یاد رکھنے کا وعدہ کرتے۔آپ کے ساتھ یوں خط و کتابت بھی رہی بڑا خوشخط لکھتے تھے اور اختصار سے جواب دیتے تھے۔

ایک بار خاکسار نے ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' کی اشاعت کے بارے میں لکھا تو جواب آیا کہ ایک ہزار خریدار ہوں تو شائع ہوسکتی ہے۔بہر حال بعد میں پہلی دونوں جلدیں یکجا کر کے شائع کر دی گئیں۔آپ کے اپنے لکھے ہوئے مضامین بہت شاندار ہیں۔بڑی خاموشی سے نظارت اشاعت کے تحت وسیع کاموں کو نہایت خوش اسلوبی سے اور نمود و نمائش کے بغیر سرانجام دیتے رہے۔

اور کچھ عرصہ بعد ''تحقیقِ عارفانہ'' شائع ہوگئی

مکرم عبدالقدیر صاحب قمر تحریر کرتے ہیں:

اُس وقت خاکسار بطور مربی سلسلہ ایک جگہ متعین تھا۔مجھے حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری کی ایک تصنیف ''تحقیق عارفانہ'' کی ضرورت پڑی۔خاکسار نے اپنی ضرورت کا ذکر مکرم مولانا مبشر احمد کاہلوں صاحب سے کیا۔کہنے لگے محترم سید عبدالحی شاہ صاحب ناظر اشاعت سے ملو وہ تمہاری اس سلسلہ میں مدد کر سکتے ہیں۔خاکسار نے اس

سے قبل محترم شاہ صاحب کا نام تو سن رکھا تھا مگر شناسائی بالکل نہ تھی۔ دفتر حاضر ہوا۔ اپنے آنے کی اطلاع دی۔ آپ نے فوراً بلالیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وجیہ، خوبصورت شخص جن کے چہرہ پر فرشتوں جیسی معصومیت تھی، تشریف فرما ہیں۔ جب خاکسار اندر داخل ہوا تو اٹھ کر ہاتھ ملایا، پاس بٹھایا، حال احوال پوچھا اور یہ سب کچھ اتنی محبت اور اپنائیت اپنے اندر لئے ہوئے تھا کہ آج 23 سال گزرنے پر بھی میں اس واقعہ کو بھلا نہیں سکا۔ ایک بزرگ شخصیت، جس سے پہلے جان پہچان بھی نہیں، ایک بچہ کو بھی اٹھ کر ملتی ہے اور اس طرح ملتی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کسی اجنبی سے مل رہے ہیں۔ جب میں نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا کہ مجھے حضرت قاضی صاحب کی کتاب ''تحقیق عارفانہ'' چاہئے۔ فرمانے لگے وہ کتاب تو اس وقت مارکیٹ میں نہیں ہے۔ عرض کیا کہ خاکسار کو تو چاہئے۔ اور یہ مربیان کی ضرورت بھی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ اچھا اسکا کوئی حل نکالتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ کچھ عرصہ بعد نہایت خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ یہ کتاب مارکیٹ میں آگئی۔

○○○○○

خاکسار مدیر عرض پرداز ہے کہ اور بات جو آپ کی شخصیت میں نمایاں طور دیکھی وہ وَاَمَّا مَا یَنفَعُ النَّاسَ پر بخوبی عمل تھا۔ آپ کی علمی حوصلہ افزائی کا ایک یہ پہلو بھی تھا کہ بسا اوقات طویل مسودات کی منظوری چند منٹوں میں ہی دیکھ کر اسی وقت اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے دیتے۔

آپ علمی حجاب و بخل سے کوسوں دور تھے اور اپنی محنت بھی دوسروں سے Share کرتے اور علمی سہولیات میں جدید ٹیکنالوجی کو فوراً Adopt کر لیتے۔ 1990ء کے شروع میں جب خط نستعلیق اور اس سے ملتے جلتے سافٹ ویئر مارکیٹ میں آنے شروع ہوئے تو فوراً سلسلہ کی کتب کی کتابت ان سافٹ ویئرز میں کروانی شروع کروادی۔ کتب کے اشاریے بنانے میں پرانے طرز پر خاصا وقت، طویل محنت اور مسلسل توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کے علم میں جب آیا کہ ایسے سافٹ ویئر موجود ہیں جن سے نہ صرف انڈیکس کا معیار بہتر ہوگا بلکہ ترتیب و توضیح اشاریہ میں بھی کم سے کم وقت اور محنت لگتی ہے تو فوراً نئی ٹیکنالوجی Adopt کرنے کی حامی بھر لیتے۔ اس کی زندہ مثال تذکرہ مجموعہ الہامات وکشوف کا چوتھا ایڈیشن 2004ء ہے۔ آپ کی نگرانی میں غالباً یہ پہلا اشاریہ ہے جو باقاعدہ ایک سافٹ ویئر کے ذریعہ اردو میں تیار ہوا۔ چنانچہ یہ طویل کام آپ کی حوصلہ افزائی میں صرف 50 دنوں میں فائنل ہوگیا۔ جبکہ پرانے طرز پر اس کیلئے طویل عرصہ درکار تھا۔ اس سے قبل پرانی طرز پر دو احباب کام کر رہے تھے اور مکرم شاہ صاحب نے بتایا کہ خاکسار اڑھائی سال سے تذکرہ کا اشاریہ خود تیار کر رہا ہے اور پھر انڈیکس کے کارڈ بھی دکھائے اور ساری محنت نئی ٹیکنالوجی کی سہولت کی بدولت ترک کر دی۔ اپنی سچی محنت ترک کرنے کا حوصلہ بہت کم لوگوں میں دیکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کی روح پر ابرِ رحمت برساتا رہے۔

کارکنان کی حوصلہ افزائی

مکرم طاہر محمود احمد صاحب مربی سلسلہ نظارت اشاعت بیان کرتے ہیں:

خاکسار نے آپ کے ساتھ لمبا عرصہ گزارا مجھے نہیں یاد کہ آپ نے اُونچی آواز میں یا غصے کے عالم میں ڈانٹا ہو۔ دھیمے لب ولہجہ میں ہی کام لیتے تھے۔ دفتر میں نیا نیا کمپیوٹر کا آغاز ہوا تھا۔ لاہور سے فائنل پروف کا مسودہ Bromide کی شکل میں ملتا تھا۔ خاکسار کانٹ چھانٹ

کر کے سیٹنگ کر رہا تھا۔ آپ کم و بیش پانچ منٹ تک پیچھے کھڑے ہو کر یہ کام دیکھتے رہے اور آخر میں قلم کے ساتھ ایک کاغذ کے پرزے پر یہ الفاظ ''طاہر ماہر'' لکھ کر چلے گئے۔ اشاعت و تصنیف کا ہر مسئلہ حل ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتے۔ روحانی خزائن میں چند عربی کتب کی نئی سیٹنگ کر کے مہینوں کی محنت کے بعد لندن بھجوائیں تو عربیک ڈیسک کی طرف سے تجویز آئی کہ ''ک'' کو اہل عرب درست خیال نہیں کرتے اس کی جگہ یہ ''ك'' تبدیل کردیں۔ چنانچہ خاکسار نے یہ مسئلہ حل کر کے وفات سے چند روز قبل آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فوراً آپ کی زبان سے ''شکر اے خدا دا'' کے الفاظ نکلے۔ آپ ہمیشہ کارکنان کی حوصلہ افزائی کرتے۔

میں روزانہ دعا کرتا ہوں

مکرم نذیر احمد سانول صاحب نے تحریر کیا:

مکرم شاہ صاحب خاکسار کے والد صاحب کے حقیقی دوست تھے۔ 1989ء میں صد سالہ جشن تشکر کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ شہر و ضلع ملتان کا جلسہ 44 قاسم روڈ ملتان کینٹ میں تجویز تھا۔ مرکز سے اس تقریب کیلئے مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور مکرم خلیل احمد تنویر صاحب تشریف لائے۔ ملتان کی ضلعی عاملہ نے فیصلہ کیا تھا کہ تقریب کے موقع پر جماعتی کتب و لٹریچر کے اسٹال کا انتظام بھی کیا جائے۔ خاکسار کتب کی ایک لمبی فہرست لیکر نظارت اشاعت میں حاضر ہوا تھا۔ درخواست میں تحریر تھا کہ ''کتب فراہم کر دی جائیں بعد فروخت مطابق فہرست رقم ادا کر دی جائیگی۔''

آپ نے اسے منظور فرمایا اور تین بڑے کارٹن پیک ہوئے۔ آپ نے خاکسار سے استفسار فرمایا کہ یہ کارٹن ملتان تو جانے ہیں مگر کس ذریعے سے لے کر جاؤ گے؟ عرض کیا بذریعہ ٹرین۔ اس پر مطمئن ہوئے اور سفر کے خیر و برکت کیلئے دعائیں دیں۔ اور فرمایا میں آپ کے سفر کیلئے روزانہ دعا کرتا رہا ہوں۔

علمی پیاس بجھانے کیلئے آپکا در کھلا رہتا

خاکسار کے والد مکرم حافظ صوفی محمد یار صاحب 1978ء میں احمدیت کے نور سے منور ہوئے تھے۔ آپکے ساتھ شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی خلافت ثالثہ کی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ والد صاحب مرحوم اڈہ چوپڑ ہٹہ ضلع خانیوال کے قریب دینی مدرسہ چلاتے اور پیری مریدی کرتے تھے۔ آپ کا ذاتی دارالمطالعہ بھی تھا جس میں دیگر کتب کے علاوہ دینی کتب کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ذوق مطالعہ کی بناء پر شاہ صاحب کے ساتھ والد صاحب بزرگوار کے برادرانہ مراسم تھے۔ آپ جب بھی ربوہ تشریف لاتے شاہ صاحب سے ملاقات کرتے اور پسند کی کتب لے کر جاتے۔ شاہ صاحب نے والد صاحب گرامی کو ایک تحریر لکھ کر دی ہوئی تھی جس پر آپکے دستخط کے ساتھ یوں تحریر تھا:

''آج بزرگوار محترم جناب حافظ صوفی محمد یار صاحب سے ملاقات ہوئی آپ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے خاص کلام سے حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے ملنے کا ارشاد فرمایا۔ آپ جب بھی نظارت اشاعت میں آئیں تو انہیں ہر کتاب بلا قیمت دی جایا کرے۔''

خاکسار

سید عبدالحی

7-10-1992

یہ تحریر والد صاحب نے خاکسار کو دی دے۔ خاکسار جب

ربوہ زیارت کیلئے حاضر ہوتا تحریر میرے پاس ہوتی۔ شاہ صاحب کو تحریر پیش کرتا، آپ ایک چٹ بنا کر دیتے۔ یوں مطلوبہ کتاب عطا ہو جاتی۔ آپ علم کی فراہمی میں ہمیشہ فراخ دلی، وسعت قلبی کا اظہار فرماتے۔

خاکسار زیارت مرکز کیلئے حاضری دیتا تو اپنے ساتھ دوستوں کو بھی لایا کرتا۔ دیگر بزرگان سلسلہ کی ملاقات کے علاوہ شاہ صاحب کے ہاں بھی ضرور حاضری دیتے۔ آپ کا دسترخوان کشادہ تھا، میزبانی کرتے اور موسم کے مطابق تواضع کرتے، فرماتے کہ ان دوستوں کو نمائش پر لے جائیں۔ چنانچہ ہم نمائش کیلئے جاتے۔ جہاں مہمانوں پر ربوہ کے پاکیزہ ماحول کا اثر ہوتا وہاں نمائش کا مہمانوں کے دلوں پر خاص اثر ہوتا اور یہ واپس آکر اپنے دوست احباب کو اس کی بابت بتاتے رہتے۔

راستہ میں پانی پی لینا

گرمیوں کے موسم میں خاکسار ایک دفعہ ربوہ گیا۔ پسینہ سے شرابور تھا اور گلا خشک ہو رہا تھا۔ کتاب لینے دفتر اشاعت گیا تو شاہ صاحب فرمانے لگے کتاب لیکر مجھے دکھا کر جانا۔ خاکسار نے کتاب لاکر پیش کی۔ آپ نے اس میں سو کا نوٹ رکھ کر کتاب بند کر کے مجھے دی اور فرمایا گرمی کا موسم ہے اور لمبا سفر ہے راستہ میں پانی پی لینا۔

شفیق اور حلیم انسان

مکرم کلیم احمد طاہر صاحب نے بیان کیا:

19 دسمبر 2011ء کو قادیان میں آپ کے وصال کی خبر سن کر بہت دکھ ہوا اور آپ کے ساتھ گزرا ہوا وقت ایک فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ باوجود اس کے کہ آپ سارا سارا دن علمی کام کرتے، اکثر کتب کی لفظاً لفظاً پروف ریڈنگ کرتے اکثر اوقات آپ چھٹی کے بعد بھی اپنے کام میں مصروف رہتے پھر بھی آپ دفتر کے جملہ امور سے باخبر رہتے۔ اس کے ساتھ ساتھ پرنٹنگ اور پبلشنگ سے متعلقہ تمام مراحل اور آلات کے بارہ میں اَپ ڈیٹ رہتے۔ آپ بہت دھیمے مگر شگفتہ مزاج تھے۔ میں نے گیارہ سال میں کبھی آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا۔ اگر ایک دفعہ غصہ آیا بھی تو اتنی ہی جلدی ختم بھی ہو گیا کہ جیسے آیا ہی نہیں تھا۔ آپ کی بزرگی اور نرم مزاجی کی وجہ سے دفتر کے جملہ کارکنان آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کام کے بارہ میں سختی سے نہ کہا مگر سارے کام بروقت پایہ تکمیل کو پہنچتے۔ آپ کی حس مزاح بہت عمدہ تھی۔ بہت شستہ مزاح کرتے تھے جس سے دفتر میں اجنبیت کا ماحول نہیں رہتا تھا۔

ایفائے عہد

آپ اگر کسی سے کسی پروگرام میں شمولیت کا وعدہ کر لیتے تو پوری کوشش کرتے۔ جب 23 مارچ 2011ء کو آپ کی اہلیہ محترمہ کو برین ہیمرج ہوا اس دن میں نے اپنی بیٹی کی آمین میں آپ کو بغرض دعا بطور مہمان خصوصی مدعو کیا ہوا تھا۔ بعد نماز عصر یہ پروگرام تھا کہ دوپہر کو آپ کی اہلیہ کو برین ہیمرج ہو گیا۔ آپ کو اس پریشانی کے وقت بھی یاد تھا کہ آپ نے میرے ہاں تشریف لانا ہے۔ آپ نے باقاعدہ مجھے فون کر کے اطلاع دی کہ اس طرح ایمرجنسی ہوگئی ہے اور میں نہیں آپاؤں گا۔ اگلے دن جب آپ دفتر تشریف لائے تو خود چل کر میرے پاس آئے اور ایک بار پھر معذرت کی کہ میں نہیں آسکا۔ آپ کی آواز سے ہی آپ کی پریشانی عیاں ہو رہی تھی۔ میرے دل میں آپ کا احترام پہلے سے بھی بڑھ گیا کہ ایک قابل احترام بزرگ اور سلسلہ کے اعلیٰ عہدیدار اتنی پریشانی کے باوجود آکر مجھ ناچیز سے معذرت کر رہے ہیں۔

دلنوازی

گزشتہ سال جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کی غرض سے جانے سے غالباً 4 دن قبل میں نے کیمرہ خریدا اور دل میں خیال آیا کہ آپ کے ساتھ فوٹو بنوائی جائے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدعا بیان کیا اور عرض کی کہ آپ اپنی کرسی پر ہی تشریف فرما رہیں میں پاس ہی کھڑا ہو جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کھڑے رہیں۔ باوجود کمزوری کے ہمت کے ساتھ اٹھ کر میز کے ساتھ پڑی دو کرسیوں میں سے ایک پر تشریف فرما ہوئے اور دوسری پر مجھے بیٹھنے کو کہا اور کہنے لگے اب فوٹو بنائیں۔

ہمیشہ سلسلہ کے کاموں کیلئے متفکر رہتے

آپ کا ذہن ہر وقت سلسلہ کے کاموں کی طرف رہتا کہ کس طرح ان کو سرانجام دینا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے حتّٰی کہ رات کو بستر پر لیٹے ہوئے بھی انہی کے بارہ میں سوچ رہے ہوتے۔ کتاب سیرۃ المہدی کی تیاری کے وقت جب نقشہ جات اور شجرہ طیبہ کے کام کا مرحلہ آیا تو خاکسار کو بلایا اور فرمایا کہ آپ یہ کام کرلیں گے۔ عرض کیا کہ پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے حسب منشا کام ہوجائے۔ اس طرح روزانہ کا کام چیک کرواتا رہا۔ ایک دن فرمانے لگے میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ میں دفتری کاموں کے بارہ میں ہی اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ کام کس طرح کرنا ہے۔ اسی طرح آج رات میں شجرہ نسب کے بارہ میں سوچتا رہا ہوں کہ کس طرح بنانا چاہئے۔ پھر مختلف طرز سے شجرہ طیبہ بنانے کے بارہ میں مشورے کرتے رہے۔ آخر پر جو طرز مناسب لگی اس کے مطابق شجرہ طیبہ تیار کروایا۔ بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس اخلاص سے سلسلہ کی خدمت کرتے تھے

خلافت سے محبت

آپ کو خلفاء احمدیت کا بہت زیادہ قرب میسر رہا۔ آپ میں خلیفہ وقت کے ادب و احترام کا پہلو بہت نمایاں تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات میں خیال رکھتے کہ خلیفہ وقت کی منشاء کے خلاف نہ ہو۔ جلسہ سالانہ قادیان 2009ء میں محترم شاہ صاحب سٹیج پر تشریف فرما تھے اور حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خطاب براہ راست نشر ہو رہا تھا۔ شدید سردی کا موسم، دھند بہت زیادہ تھی۔ آپ سردی سے ٹھٹھر رہے تھے مگر پیارے آقا کا ادب و احترام تھا کہ آپ جم کر بیٹھے خطاب سن رہے ہیں۔ آخر جب بہت مجبور ہوگئے تو صدرِ مجلس سے اجازت لے کر سٹیج سے نیچے کرسیوں پر تشریف لے آئے اور وہاں اختتامی دعا تک تشریف فرما رہے۔ اس شدید سردی کا اثر تھا کہ بعد میں بڑی مشکل سے پیدل چل کر دارالضیافت اپنی قیام گاہ تک پہنچے۔

تعلیم و تدریس میں معاونت

مکرم ملک لطیف احمد صاحب جہلمی تحریر کرتے ہیں:

خاکسار کو سب سے پہلے 1952ء میں بوساطت اپنے ماموں مکرم حافظ غلام محی الدین مرحوم، مکرم شاہ صاحب موصوف سے ملنے کا موقع ملا جبکہ وہ جامعہ احمدیہ کے طالب علم تھے۔ میرے ماموں نے مکرم شاہ صاحب سے درخواست کی کہ لطیف احمد کو انگلش پڑھا دیا کریں جو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے منظور فرمائی۔ چنانچہ خاکسار ان کی رہائش واقع ہوسٹل جامعہ احمدیہ حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اس پہلی ملاقات میں انہوں نے ایسا تاثر دیا جیسے میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں۔ جتنے دن انہوں نے میری

راہنمائی فرمائی آج تک نہیں بھول پایا۔میرے ماموں مرحوم اور شاہ صاحب مرحوم کا ساتھ جامعہ سے شروع ہوا وہ اس لئے کہ میرے ماموں حفظ قرآن کے طالب علم تھے اور یہ تعلق تاحیات قائم رہا۔

میرے اساتذہ نے دوسری جماعت سے ہی تختی لکھنے اور خوشخطی کا شوق پیدا کر دیا تھا۔مدت مدید کے بعد جب میں مشرق وسطیٰ سے واپس آیا تو کتابت کے سلسلہ میں مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب سے راہنمائی لینے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔انہوں نے فوری طور پر ایک کارکن کو بلایا اور کہا انہیں کتابت والے کاغذ اور روشنائی دے دیں تا کہ یہ لکھنے کی مشق کر سکیں۔ان کی یہ شفقت میرے لئے ناقابل فراموش تھی۔

مالی قربانی

ایک وقت میں خاکسار رحمٰن کالونی ربوہ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا۔ہر ممبر کو پانچ پانچ ہزار روپے اکٹھے کرنے کا ٹارگٹ دیا گیا۔خاکسار سب سے پہلے شاہ صاحب کی خدمت میں بمع رسید بک حاضر ہوا اور اپنا مدعا عرض کیا۔الحمدللہ کہ بغیر توقف کے آپ نے فوراً رقم پیش کر دی اور میں نے جزاکم اللہ احسن الجزاء کہتے ہوئے رسید بنا کر پیش کر دی۔

سب کے ہمدرد سب کے خیر خواہ

مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب نائب مدیر ماہنامہ انصاراللہ تحریر کرتے ہیں:

جنوری 1989ء میں خاکسار کی شعبہ تاریخ احمدیت میں تقرری ہوئی۔ناظر اشاعت ہونے کے ناطے یہ شعبہ بھی مکرم شاہ صاحب کی زیر نگرانی تھا۔اس لحاظ سے تقریباً تئیس برس تک آپ سے واسطہ رہا۔مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مورخ احمدیت نے اس بات کا متعدد مرتبہ اظہار کیا کہ خدا تعالیٰ کا ہم پر یہ بڑا احسان ہے کہ محترم شاہ صاحب جیسا مہربان افسر ہمیں عطا فرمایا ہے۔دوسری طرف محترم شاہ صاحب بھی حضرت مولوی صاحب کا بہت احترام کرتے۔

دفتری کاموں کے سلسلہ میں محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب زیادہ تر خاکسار کو آپ کے پاس بھجواتے۔آپ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود خوشدلی سے ملتے اور وقت دیتے تھے۔ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی بھی وجہ سے وقت دینے سے انکار کیا ہو۔ہر دم آپ کو ہمدردی کے جذبہ سے سرشار پایا۔اور ادب اور احترام کے رنگ میں معاملہ آرائی کرتے دیکھا۔اپنے اعلیٰ خلاق کے اظہار کی راہ میں آپ نے کسی عہدہ اور مرتبہ کو رکاوٹ نہ بننے دیا۔آپ کی گفتگو نپی تلی، جامع مانع اور بامقصد ہوتی تھی۔آپ کا انداز دھیما اور سلجھا ہوا،مزاج شگفتہ اور شیریں تھا۔

آپ کو ایک مخلص،بےنفس اور خاموش مجاہد سلسلہ پایا جو سب کا ہمدرد اور سب کا خیر خواہ ہو۔اتنے شعبوں کا سربراہ ہونے کے باوجود کسی قسم کا تکبر یا نخوت آپ میں نظر نہ آئی۔جماعتی کاموں کیلئے آپ کی بےلوث راہنمائی حاصل رہی خصوصاً تاریخ احمدیت کے انڈیکس کی تیاری کے سلسلہ میں آپ کی وسیع معلومات سے مستفید ہوتا رہا۔

قواعد وضوابط کے پابند

آپ قواعد وضوابط صدر انجمن احمدیہ کی بڑی سختی سے پابندی کرتے۔دفتری استعمال کی چیزوں کی خریداری کیلئے آپ سے اجازت لیتے۔جس چیز کے خریدنے کی قواعد اجازت دیتے وہ چاہے ہزاروں کی ہوتی اجازت دی دیتے۔جب کے ایک دفعہ ایک چیز کا بل صرف تیس روپے

(باقی صفحہ 81 پر)

مدیر انصاراللہ کے طور پر خدمات

مدیر

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا رسالہ ماہنامہ ''انصاراللہ'' جس کا آغاز خلافت ثانیہ کے عہد سعادت میں مکرم مسعود احمد خانصاحب دہلوی مرحوم کی ادارت میں نومبر 1960ء میں ہوا، اس رسالہ کا مقصد تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ انصاراللہ میں ٹھوس علمی و تحقیقی ذوق پیدا کرنا بھی ہے۔ تاہم ہر دورِادارت میں روحانی تعلیم و تربیت پر مشتمل مضامین مختلف النوع ہوتے ہیں۔ مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب اپریل 1977ء سے جنوری 1980ء تک اور پھر نومبر 85ء جنوری 1986ء تک اس رسالہ کے مدیر رہے۔ آپ کے اداریہ جات پُر مغز، پُر تاثیر اور برمحل ہوتے۔ اس کا ایک نمونہ شمارہ ہٰذا کے آغاز میں ''تبرکات'' کے عنوان پر مشتمل آپ کے تحریر کردہ اداریہ کا ایک حصہ ہے۔ آپ کے اداریے اپنی ذات میں نپی تلی تحقیق پر مشتمل ہوتے اور پسند کئے جاتے جن میں سلسلہ احمدیہ کے متعلق بعض تاریخی باتیں پہلی دفعہ ضبطِ تحریر میں آئیں۔

مکرم شاہ صاحب نے اس رسالہ میں قارئین کرام میں روحانی تاثیرات پیدا کرنے کیلئے قال اللہ و قال الرسول ﷺ کے منتخب سنہری موتیوں، حضرت مسیح موعودؑ کے روح پرور ارشادات اور خلفاء سلسلہ کے فرمودات کے ساتھ ساتھ دینی کتب سے کئی نئے نکات معرفت شاملِ اشاعت کئے۔ علاوہ ازیں موقع و محل کے مطابق نئے مضامین کے ساتھ ساتھ سیرت النبی ﷺ، سیرت و سوانح صحابہ رضی اللہ عنہم، سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام، سیرت رفقاء احمد اور تاریخ سلسلہ احمدیہ کے مختلف ادوار پر مشتمل مضامین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ضمیمہ انجام آتھم میں مذکور 313 رفقاء کرام کی فہرست کی ترتیب کے مطابق مکرم مولانا شیخ نور احمد صاحب منیر کے مضامین کا سلسلہ نومبر 77ء میں شروع ہوا۔ ان دینی و علمی مضامین میں 25 ابتدائی رفقاء کے حالات زندگی پیش کئے گئے اور 25 ویں نمبر پر حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی کے حالات زندگی شائع کئے گئے۔ مکرم شیخ صاحب موصوف کے ان مضامین کا سلسلہ اکتوبر 79ء تک جاری رہا۔

مکرم شاہ صاحب کے عہدِ ادارت میں چند اہم مضمون نگاروں میں حضرت مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ، مکرم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، مکرم شیخ عبدالقادر صاحب محقق لاہور، مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب، مکرم اخوند فیاض احمد خان صاحب، مکرم مسعود احمد دہلوی صاحب، مکرم مولانا عطاءاللہ کلیم صاحب، مکرم سید داؤد مظفر شاہ صاحب، مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب، مکرم مولانا شیخ نور احمد منیر صاحب، مکرم مولانا غلام باری سیف صاحب، مکرم فضل الٰہی انوری صاحب، مکرم مولانا بشارت احمد بشیر صاحب، مکرم سید احمد علی شاہ صاحب اور مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مورخ احمدیت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگان کے تحریر کردہ مضامین مستند اور ٹھوس تحقیقی مواد پر مشتمل ہوتے۔

حکومتی پابندیوں سے قبل سلسلہ کے اجتماعات بڑی شان سے ہوا کرتے تھے۔ انصاراللہ مرکزیہ کے ان اجتماعات کو مکرم ایڈیٹر صاحب باتصاویر بھرپور Coverage دیتے۔

مکرم شاہ صاحب نے بطور ایڈیٹر تعلیم و تربیت کے نقطہ نظر سے کئی علمی و تحقیقی مضامین و مقالات لکھے۔ ان میں

سے بطور مثال حسب ذیل ہیں:

جون 1977ء کے رسالہ میں آپ کا تحقیقی مضمون ''یہودیوں کی طرف سے شائع کردہ محرف اناجیل''۔

شمارہ مئی 77ء میں ''خلافت احمدیہ''

فروری 79ء کے شمارہ میں ''نزول مسیح اور ظہور امام مہدی کے متعلق ابن عربیؒ کی تصریحات''

شمارہ مارچ 79ء میں ''چودھویں صدی ہجری کا اختتام''

مئی 79ء کے شمارہ میں ''حضرت خواجہ غلام فرید صاحب' چاچڑاں شریف والے۔اور اگست 1979ء کے شمارہ میں ''شمائل شریفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم''

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور مدیر ایک یہ اعزاز بھی بخشا کہ ماہنامہ انصاراللہ کا نومبر و دسمبر 1985ء کا شاہکار شمارہ ''حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان نمبر'' نکالنے کی توفیق عطا فرمائی جس میں بعض نادر انٹرویوز بھی شامل ہیں۔ یہ نمبر اپنی ذات میں ایک دیدہ زیب مرتب تاریخ وتحقیق اور سیرت و سوانح ہے اور حضرت چوہدری صاحب موصوف کی حیات طیبہ کا انمول خزانہ ہے جس کے 176 صفحات ہیں۔ 36 صفحات پر مشتمل نایاب تصاویر اس شمارہ کے حسن میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب کی ان تاریخی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

اس خصوصی نمبر کیلئے ممبران اشاعت کمیٹی مجلس انصاراللہ و نائب مدیران نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ان کے علاوہ کئی احباب نے خصوصی تعاون فرمایا۔ خاکسار ایسے تمام دوست احباب کا ممنون ہے جنہوں نے کسی بھی رنگ میں شمارہ ہٰذا کیلئے تعاون کیا۔ ان احباب میں درج ذیل بالخصوص شکریہ کے مستحق ہیں:

مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب (سابق صدر مجلس)، مکرم سید احمد یحییٰ صاحب، مکرم کلیم احمد طاہر صاحب، مکرم طاہر احمد مختار صاحب، مکرم نصیر احمد انجم صاحب، مکرم منصور نورالدین صاحب، مکرم نوید مبشر شاہد صاحب اور مکرم نذیر احمد خادم صاحب۔

فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

والسلام

خاکسار

قائد اشاعت

اعلان برائے خریداران

اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ انصاراللہ 2012ء کا ستمبر/اکتوبر کا شمارہ اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ احباب سے درخواست ہے کہ رسالہ موصول ہونے پر دفتر ہٰذا کو فوری طور پر مطلع فرمائیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

مینیجر ماہنامہ انصاراللہ

26 جولائی 2011ء: جلسہ سالانہ برطانیہ میں شاملین ممبران طاہر فاؤنڈیشن حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں

کرسیوں پر دائیں سے بائیں: مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب، مکرم سید عبدالحی شاہ صاحب، مکرم رفیق حیات صاحب، سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ، مکرم شیخ مظفر احمد صاحب (صدر طاہر فاؤنڈیشن)، مکرم افتخار ایاز صاحب، مکرم عبداللہ ہاؤزر واگس ر صاحب۔ ایستادہ: دائیں سے بائیں: مکرم حبیب الرحمن زیروی صاحب (کارکن)، مکرم سید احمد یحییٰ صاحب، مکرم منیر الدین شمس صاحب، مکرم نواب مودود احمد خان صاحب، مکرم عطاء المجیب راشد صاحب، مکرم سید نصیر احمد شاہ صاحب۔

Editor:
Ahmad Tahir Mirza
Ph: 047-6212982
Fax: 047-6214631
Cell: 0336-7700250

Monthly
Ansarullah
C. Nagar
Regd #: FR - 8
ansarullahpakistan@gmail.com
magazine@ansarullahpk.org

Tabook / Akha 1391, September / October 2012

”یہ خادمِ سلسلہ آخر دم تک سلسلہ کے لئے وقف رہا“

سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 23/دسمبر 2011ء کے خطبہ جمعہ میں محترم شاہ صاحب کے بارہ میں فرمایا:

”بڑے صائب الرائے، سادہ مزاج، شریف النفس، معاملہ فہم، حلیم الطبع، مدبر، کم گو اور ہمیشہ نپی تلی بات کرنے والے تھے۔ ٹھوس علمی پسِ منظر کی وجہ سے ہر معاملے کی خوب گہرائی سے تحقیق کرتے تھے اور اپنی پختہ رائے سے نوازتے تھے۔ خلفائے سلسلہ کی طرف سے موصول ہونے والے علمی موضوعات کی تحقیق اور حوالہ جات کی تخریج و تکمیل کو اول وقت میں انجام دینے کی کوشش کرتے تھے۔ کتب کی تیاری، طباعت، اشاعت تک کے مراحل میں اپنے عملے کی رہنمائی کرتے اور بڑے گہرے مشورے دیتے۔“

(الفضل انٹرنیشنل لندن 13 تا 19/جنوری 2012ء)